www.paksociety.com

نازیہ جمال

# تجھ پہ دل ہارا

"کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے بھائی کے لیے۔"

علیہ خاصی ترنگ میں با آواز بلند گنگنائی تھی۔

"یہ کیا فضول بات ہے؟" وہ جولیدر کوٹ کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالے علیہ سے دو قدم آگے چل رہی تھی' ایک دم سے رک گئی۔ گھوم کر علیہ کو گھور کے دیکھا۔

"فضول بات نہیں ڈیئر! بلکہ یہ تو میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ صرف میری ہی خواہش نہیں بلکہ کسی کے لیے تو یہ زندگی اور موت کا مسئلہ

**مکمل ناول**

ہے۔" علیہ اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے خاصی معنی خیزی سے بولی تھی۔

"ہونہہ! دیوانے کا خواب" وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ موسم میں رچی یخ بستگی نے ایسی پھریری اس کے جسم میں دوڑائی تھی کہ بے ساختہ اس نے دونوں بازو اپنے سینے پہ لپیٹ لیے تھے۔ دور نیلگوں پہاڑوں پہ بادلوں کا دھواں اتر رہا تھا۔

"قسم سے حائقہ! میری بھابھی بننے میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے میں تمہاری بیسٹ فرینڈ اکلوتی نند بن کر بھی بہن کی طرح رہوں گی۔ میری مما جو تمہیں اپنی دوسری بیٹی کہتی ہیں۔ ان کی محبتوں کے چشموں میں تم کمی نہ دیکھو گی۔ اور رہ گیا میرا ہینڈسم اور چارمنگ بھائی۔۔۔"

"شاپ اٹ علیہ!" اس نے بے ساختہ علیہ کی روانی سے چلتی زبان روکی تھی۔ خوب صورت پیشانی پہ ناگواری کی لہریں نمودار ہوئی تھیں۔

"میں تمہیں بارہا کہہ چکی ہوں کہ میرے فیوچر کا ہر فیصلہ میرے پاپا کریں گے۔ اس لیے تم کوئی ایسی فضول خواہش مت پالو دل میں۔"

"اوکے! تو گویا شیرازی انکل تک ڈائریکٹ اپروچ کرنی ہوگی۔ وہ اوکے کردیں تو پھر تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا نا؟" اس کے چہرے کو تولتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے علیہ آرام سے بولی تھی۔

حائقہ کی نگاہوں میں فواز کا سراپا اتر آیا تھا۔ جو بلاشبہ ہینڈسم اور چارمنگ تھا مگر ظاہری سراپے سے ہٹ کر اس کا دیکھنے کا انداز اور گفتگو اس کے چہرے پہ ایک دم سے سختی چھا گئی تھی۔

"وقت آنے پہ دیکھا جائے گا۔ تم پہلے سے کوئی امید مت باندھو۔"

حائقہ اور علیہ بہترین دوست ہونے کے ساتھ ساتھ کلاس فیلوز بھی تھیں۔ ان کا کالج کا ٹرپ چار دنوں کے لیے ناران' کاغان اور دیگر شمالی علاقہ جات کی سیر کے لیے آیا ہوا تھا۔

صبح ناشتے کے بعد ہی وہ دونوں فطری خوب صورتی سے لطف اندوز ہونے کے لیے نکل پڑیں۔ حالانکہ ان کی ٹیچرز انہیں گروپس میں آؤٹنگ کا کہہ رہی تھیں۔ علیہ اپنے موبائل کیمرہ میں کھٹا کھٹ اس کی اور اپنی درجنوں تصاویر لے چکی تھی۔ ابھی جوار غوانی پھولوں کے جھنڈ پہ نظر پڑی تو اس کا بازو کھینچ کر لے گئی۔

"آؤ حائقہ! ان پھولوں کے آگے ایک سیلفی لیں۔"

"نہیں تم لو۔ کافی پکس لے چکی ہو۔" وہ اپنا بازو



WWW.PAKSOCIETY.COM

چھڑاتی آگے بڑھ گئی۔ سامنے منظر پہ نظر پڑی تو نظریں خیرہ ہو جانے والے انداز میں جم گئی تھیں۔ جا بجا قدرتی حسن بکھرا پڑا تھا۔ مگر یہ نظارہ تو حد سے سوا تھا۔

شفاف چشمے کی تہ میں رنگ برنگی خوب صورت مچھلیاں تیرتی پھر رہی تھیں۔ وہ ایک خواب کی سی کیفیت میں آگے بڑھتی گئی۔

پانی کی سطح پہ سر نکالے پتھروں پہ احتیاط سے پاؤں دھرتے ہوئے وہ چشمے کے عین وسط میں پہنچ گئی۔ شفاف پانی میں تیرتی مچھلیوں کو کئی بار پکڑنا چاہا مگر ہر بار وہ اس کی مٹھی سے نکل جاتیں' اسے اس کھیل میں لطف آنے لگا تھا۔

کتنی ہی دیر بیٹھی مچھلیوں کو پکڑتی اور اپنے ہاتھ سے پھسلتا دیکھتی رہی۔ اپنے موبائل کیم سے ان مچھلیوں کی پکس لے کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ علیہ دور پھولوں کے کنج کے پاس ہی رہ گئی تھی۔ چشمے کے کنارے نرم نرم گھاس اور بے شمار خوب صورت خودرو پھول اگے ہوئے تھے۔

نرم مخملیں گھاس پہ پاؤں رکھتے ہی تراوٹ کا گہرا احساس اس کے اندر تک اتر گیا تھا۔ وہ ننگے پاؤں کتنی ہی دیر تک گھاس پہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی۔ واک کرتی رہی تھی۔ کہ اچانک اسے اپنے پیروں کے قریب سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔

اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ ایک سبز رنگ کا پتلا سا سانپ تھا جو اس کے پاؤں پہ کاٹ کر تیزی سے رینگتے ہوئے نکل گیا۔

اسے اپنے پاؤں پہ ایک چٹکی سی محسوس ہوئی' پھر ایک دم سے درد کی ایک لہر اٹھی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ٹانگ پھر پورے جسم کا احاطہ کر لیا۔ درد کی شدت سے وہ پہلے تو دوہری ہوئی پھر ایک دم سے نرم گھاس پر گر گئی۔

☆ ☆ ☆

اس کے دوست کئی دنوں سے اسے آؤٹنگ پہ نکلنے کا کہہ رہے تھے۔ مگر ہر بار کوئی نہ کوئی مصروفیت اس کے آڑے آجاتی۔ کبھی زمینوں کا کوئی مسئلہ ہو جاتا تو کبھی مزارعوں کی شکایات کا ازالہ کرنے میں وقت لگ جاتا۔

ایسے میں وہ دوستوں کو کسی نہ کسی بہانے سے ٹالتا آیا تھا۔

سعد اور شارق کراچی کے رہائشی تھے جو اکثر اس کے گاؤں شکار یا کسی اور غرض سے مدعو ہوتے رہتے تھے۔ اس بار وہ بیسٹی سائیڈ ٹو ایگری کلچر کے آفس کسی کام سے کراچی آیا تو سعد اور شارق شمالی علاقہ جات کی سیر کا ارادہ کیے بیٹھے تھے۔

"چل بھئی شیری! ہر بار کوئی نہ کوئی تیرا بہانہ چل جاتا ہے۔ مگر اب تجھے ہمارے ساتھ ناردرن ایریاز چلنا ہی پڑے گا۔ گاؤں سے تو نکل ہی آیا ہے۔" شارق نے اس کی چوڑی پشت پر زور سے دھپ لگاتے ہوئے حکمیہ انداز میں کہا تھا۔ ان کی محبت بھری دھونس میں اتنی طاقت تھی کہ وہ گھر واپسی کا سفر ملتوی کر کے ان کے ہمراہ ان مرغزاروں میں چلا آیا۔

گلے میں ٹیلی سکوپ ڈالے وہ ہر دل کش منظر کو اپنے موبائل کیم میں محفوظ کرتا جا رہا تھا کہ ایک دم سے سامنے دکھائی دینے والے منظر نے اسے ٹھٹکا کر روک دیا تھا۔

ایک بیس سالہ حسین دوشیزہ کے چہرے پہ اذیت کے آثار کافی دور سے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے لڑکی شدت تکلیف کے مارے دہری ہوئی پھر گر گئی۔

"اوہ خدایا! اسے کیا ہوا ہے؟"

تفکر سے بڑبڑاتے ہوئے وہ اس کے قریب آیا پھر گھٹنوں کے بل قریب بیٹھ کر بغور اس کا جائزہ لیا۔

لڑکی اچھی خاصی خوش شکل تھی مگر بے ہوشی کی حالت میں دہری ہوئی پڑی تھی۔ بلو جینز کے اوپر کھدر کا ڈھیلا ڈھالا کرتا اور اس کے اوپر براؤن لیدر کوٹ' گلے میں سرخ اونی مفلر لپیٹا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ انجان لڑکی کو چھوڑ کر چل دے مگر شخصی وقار اور تربیت اسے وہاں بیٹھے رہنے پر مجبور کر رہے تھے۔


WWW.PAKSOCIETY.COM

"پتا نہیں کون ہے؟ فیملی کے ساتھ آئی ہے یا میری طرح دوستوں کے ساتھ چل پڑی ہے اور اکیلی بے ہوش کیوں ہوئی ہے؟"

خود کلامی کرتے ہوئے اس نے حائقہ کا سرتاپا پھر سے جائزہ لیا۔ سفید پاؤں سینڈلز سے آزاد تھے۔ سینڈلز کچھ فاصلے پر پڑی تھیں۔

جائزے کے دوران اس کی نگاہیں دائیں پیر پر جم گئیں۔ پاؤں پہ واضح کانٹے کا سرخ نشان تھا۔

"پتا نہیں کس زہریلے کیڑے نے اسے کاٹا ہے کہ یہ بے ہوش ہو گئی ہے یا پھر سانپ...؟" ایک دم سے خدشہ اس کے ذہن میں سرسرایا تو وہ بے طرح پریشان ہو اٹھا۔

"سنیں مس! آپ کے ساتھ کون ہے؟" وہ اس کے رخسار ہولے ہولے سے تھپتھپاتے ہوئے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر کوٹ کی اندرونی جیب کے ابھار نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرلی۔

"شاید اس کے سیل سے کوئی کانٹیکٹ مل جائے۔" ابھی پاکٹ سے موبائل نکالا ہی تھا کہ اسکرین پہ "علیہ کالنگ" سے ٹون بج اٹھی۔

"ہیلو! حائقہ تم کہاں چلی گئی ہو۔ میڈم کی کال آئی ہے۔ وہ ہمیں واپس بلا رہی ہیں، لنچ ٹائم ہونے والا ہے۔"

اس کے اوکے کرنے پر دوسری طرف سے ایک متفکر نسوانی آواز سنائی دی۔

"دیکھیں محترمہ! آپ جو کوئی بھی ہیں۔ آپ کی یہ دوست یہاں ندی کے کنارے مجھے بے ہوش پڑی ملی ہیں۔ شاید انہیں کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ ان کی کنڈیشن سے میں تو یہی اندازہ کرپایا ہوں۔"

جواب میں وہ مفصل انداز میں مضبوطی سے گویا ہوا۔

"کیا؟ کیڑے نے کاٹ لیا...؟ بے ہوش..." علیہ کے تو ہاتھوں کے توتے اڑ گئے تھے۔ فوراً" اسٹاف کو مطلع کیا۔

پندرہ منٹ بعد وہ تین ٹیچرز اور علیہ گرتی پڑتی ندی کنارے پہنچ گئیں۔

"میں ایسے ہی سیر کو نکلا ہوا تھا تو انہیں بے ہوش حالت میں دیکھ کر ادھر آگیا۔" وہ ان سب کے متوحش چہروں کو دیکھتے ہوئے وضاحتی انداز میں بولتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"او گاڈ! میں نے منع بھی کیا تھا کہ زیادہ دور نہ جاؤ۔ اگر جانا ہے تو گروپس میں جاؤ مگر یہ ایڈیٹس گرلز۔" ایک ٹیچر فکرمندی سے بے ہوش پڑی حائقہ کو دیکھتے ہوئے ناراضی سے بولی تھیں۔ ہوٹل کال کرکے وین بلوائی گئی۔

ان سب کے رخصت ہو جانے کے بعد وہ بھی جانے کے لیے مڑا تو وہاں پڑیں سینڈلز پہ نظر پڑی۔ شاید افراتفری میں اسے اٹھانا بھول گئی تھیں۔ وہاں ایک کارڈ بھی پڑا ہوا تھا جو شاید اس لڑکی کا تھا۔


ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

سوچ نگر کی رانی

رضیہ جمیل

قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر:
32735021

اس نے جھک کر اٹھالیا۔ اسٹوڈنٹ کارڈ تھا۔ پورا بائیوڈیٹا تفصیل سے موجود تھا۔
نام حائقہ شیرازی ولدیت آصف شیرازی
تعلیم بی اے آنرز۔
کارڈ پڑھتے ہوئے اس کی آنکھیں پر سوچ انداز میں سکڑ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"اللہ! حائقہ! تمہیں اگر کچھ ہو جاتا تو میں انکل کو کیا جواب دیتی۔ سوچو ہم سب کا کیا ہوتا۔" علیہ محبت سے اس کا ہاتھ تھامے کہہ رہی تھی۔ بروقت طبی امداد مل جانے سے حائقہ کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ سانپ اتنا زہریلا نہیں تھا۔ حائقہ اگر اس کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی تو کبھی بے ہوش نہ ہوتی۔ اصل میں زہر سے زیادہ خوف نے اس کے اعصاب پہ حملہ کیا تھا تبھی تو وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔

"ہاں یار! پاپا تو میرے بغیر مر جاتے۔" کہتے ہوئے اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ جان سے عزیز باپ سے دوری کے خیال نے اسے کتنی بار رلایا تھا۔ یقین ہی نہ آرہا تھا کہ وہ موت کی سرحد کو ہاتھ لگا کر آئی ہے۔

"دعا دو اس اجنبی پرنس کو جو نجانے کہاں کہاں سے بھٹکتا ہوا ادھر آنکلا۔ تم پر نظر پڑی اور مجھے انفارم کیا۔ ورنہ نجانے تم کب تک وہاں پڑی رہتیں۔"

"ہاں یہ بھی پاپا کی کوئی نیکی تھی کہ اللہ نے ایک مددگار وہاں بھیج دیا۔" اس نے سادگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس نے اپنا کوئی کانٹیکٹ نمبر نہیں دیا؟ اس کو تھینکس کہنا تو فرض بنتا ہے۔"

اس نے نحیف آواز میں استفسار کیا۔ علیہ کی زبانی اسے اپنے غیبی مددگار کا احوال مل چکا تھا۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ وہ اس کی ہمدردی اور انسان دوستی پر اس کا شکریہ ادا کرے۔

"کہاں سے نمبر لیتی۔ ادھر اس نے انفارم کیا۔ ادھر ہم لوگ تمہارے سر پر پہنچ گئے۔ ویسے ایک بات تو ہے۔ بندہ تھا بہت ہینڈسم اور ایلی گینٹ۔ کم بخت کی ہائٹ بھی غضب کی تھی۔" علیہ کا لہجہ رشک آمیز تھا۔

کیونکہ صبح روانگی تھی اس لیے علیہ بیگ میں اپنی اور اس کی چیزیں رکھنے لگی۔

"سنو' سنو' ہمارے پاس ایک پلان ہے۔" ان کی گروپ فرینڈ ملائکہ نے دروازے سے جھانک کر کہا۔

دونوں اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"ہمارا ارادہ واپسی پہ اسلام آباد میں ارسلہ کے گھر ایک دن قیام کرنے کا ہے ارسلہ اپنی انگیجمنٹ کی ٹریٹ گھر پر دے رہی ہے یقیناً" تم دونوں ہمارے ساتھ اتفاق کرو گی۔" ملائکہ پورا دروازہ کھول کر اندر آگئی۔

"اوکے! ہم بھی رکیں گے ساتھ میں ارسلہ کی فیملی سے بھی مل لیں گے۔" علیہ نے فوراً" ڈن کر دیا مگر اس نے دوٹوک انکار کر دیا۔

"نہیں' میں نے گھر جانا ہے۔ بس آئی ایم فیلنگ ہوم سک نیس۔"

"کم آن حائقہ! تم تو ایسے گھر کی رٹ لگا رہی ہو جیسے تمہارا کوئی وہاں بیٹھا ہو۔ جو تمہارا شدت سے انتظار کر رہا ہو۔ جیسے تمہارا اتنے دن باہر رہنا گراں گزر رہا ہو۔"

ملائکہ نے بھی اسے پروگرام میں شامل کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔ مگر اسے تو ملائکہ کی بات سن کر ہی غصہ آگیا۔

"واٹ ڈو یو مین؟ کہ گھر میں میرا کون انتظار کر رہا ہے؟" وہ بے حد ترشی سے ملائکہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"میری زینت بوا! میرے پاپا' کیا یہ سب لوگ میرا ویٹ نہیں کر رہے ہوں گے۔" وہ سخت نگاہوں سے ملائکہ کو دیکھتے ہوئے خلاف عادت چیخ کر اونچی آواز میں بولی تھی۔

"یہ دیکھو! ان کی فون کالز' ٹیکسٹ میسجز" اس نے اپنا سیل آگے کیا۔

"سوری حائقہ! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

اس کے جارحانہ تیوروں سے خائف ہوتے ہوئے


WWW.PAKSOCIETY.COM

ملائکہ بس یہی کہہ پائی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ اس کی کس بات نے حائقہ کو اتنا ہائپر کیا ہے۔ علیہ بھی اس کی بے حد سرخ پڑتی رنگت اور تیز تنفس سے پریشان ہو گئی تھی۔

"کول ڈاؤن! ملائکہ نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی جس پہ تم اتنا شاؤٹ ہو رہی ہو۔ صرف ارسلہ کے گھر ایک دن رکنے کا کہہ رہی تھی۔" علیہ نے نرمی سے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"تم نے دیکھا نہیں کیسے مجھے جتا رہی تھی کہ گھر میں میرا کوئی منتظر نہیں ہے۔" وہ بھیگے لہجے میں علیہ سے ایسے شکایتی انداز میں بولی جیسے ایک چھوٹا بچہ کسی بڑے سے کسی کی شکایت کر رہا ہو۔

"زینت بوا، میرے پاپا، پوری کمپلیٹ فیملی ہے میری، میرے برڈز۔" آنسو اب بے ساختہ مخملیں رخساروں پہ لڑھک آئے تھے۔ علیہ بے ساختہ ایک لمبی سانس کھینچ کر رہ گئی تھی۔

"اس کا مقصد تمہیں کچھ جتانا تھوڑی تھا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ انکل دبئی میں رہتے ہیں۔ تم زینت بوا کے ساتھ گھر میں رہتی ہو۔ اس کا مطلب تھا کہ گھر میں تمہیں کوئی ڈانٹے گا نہیں کہ ایک دن مزید کیوں لگایا۔ دیٹس اٹ۔ وہ انکل کی روشن خیالی کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایسا کہہ رہی تھی، ورنہ تو کتنی گرلز ہیں جنہیں اس ٹرپ کی بمشکل اجازت ملی ہے۔" علیہ نرمی سے بولتے ہوئے اس کا ملال کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

بات واقعی ایسی نہیں تھی جس پہ وہ اتنا مائنڈ کر جاتی۔ پتا نہیں کیوں طبیعت بگڑنے پر اسے ہر چیز شدت سے محسوس ہونے لگی تھی۔ بلاوجہ کی زود رنج ہو رہی تھی۔ خواہ خواہ زور زور سے رونے کو جی چاہ رہا تھا۔ ورنہ تو ملائکہ، ارسلہ سب اس کی گہری دوست تھیں۔ سبھی کا ایک دوسرے کے گھر آزادانہ آنا جانا لگا رہتا تھا۔ سبھی اسی کی طرح روشن خیال اور ویل آف فیملیز سے تعلق رکھتی تھیں۔

سب جانتے تھے کہ اس کے پاپا آصف شیرازی نے


پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ مفت حاصل کریں۔

قیمت -/300 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361





WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کی مما ایمن شیرازی کی وفات کے بعد دبئی میں دوسری شادی کرلی تھی۔

آصف شیرازی کے دو بچے تھے۔ وہ ایک مکمل فیملی کے ہمراہ زندگی بسر کررہے تھے۔ زینت بوا اس کے ماما پاپا کی چچازاد بہن تھیں۔ جنہوں نے اس کی پرورش و تربیت کا فریضہ پوری ذمہ داری اور جانفشانی سے نبھایا تھا۔ خود بے اولاد تھیں۔ شوہر نے اولاد کی خاطر دوسری شادی کی تو یہ ناراض ہوکر میکے کی دہلیز پہ آبیٹھیں پھر مڑ کر واپس نہیں دیکھا۔

صاحب حیثیت آصف اور ایمن اکثر اپنی چچازاد زینت کو ضرورت کی اشیاء فراخ دلی سے بھجواتے رہتے تھے کہ بے گھر اور لاچار خاتون ہی ان کی خیرات و زکواۃ کی صحیح حق دار ہے۔ پھر جب ایمن امید سے ہوئیں تو آصف نے زینت کو بلا بھیجا کہ گھر کے کاموں کی ذرا دیکھ ریکھ کرلیں۔ حائقہ کی پیدائش، پھر دو سال بعد ایکسیڈنٹ میں ایمن کی وفات کے بعد زینت بوا نے گھر کے تمام معاملات مکمل طور پر اپنے ذمے لے لیے۔ محبوب بیوی کی ناگہانی موت کا صدمہ جو تھا سو تھا، ننھی حائقہ کی دیکھ بھال کی طرف سے آصف کو اچھی خاصی تسلی ہوگئی تھی۔

اگلے کچھ سالوں میں صورت حال ایسی بنی کہ انہیں اپنا بزنس دبئی منتقل کرنا پڑا۔ پھر حالات کے تقاضوں کے تحت انہیں اپنے بزنس پارٹنر سہیل کی بہن لامعہ سے شادی کرنا پڑی۔ یوں ان کی نئی زندگی وہاں شروع ہوگئی جس میں خدیج اور آئنہ نے آکر رنگ بکھیرے۔

ادھر حائقہ، بوا زینت کے زیر سایہ پل کر جوان ہوئی۔ بوا زینت کی محبت کے چشموں سے جی بھر کر سیراب ہوتے ہوئے حائقہ ایک مکمل متوازن اور با اعتماد زندگی گزار رہی تھی۔ کسی قسم کا کوئی احساس کمتری اس کی شخصیت میں موجود نہ تھا۔ آصف شیرازی ہر دو ماہ بعد اس کے پاس چکر لگاتے۔ وکیشنز میں وہ دبئی ہو آتی۔ لامعہ آنٹی اور خدیج و آئنہ سے بہت گاڑھی نہیں تو اچھی بنتی تھی۔ ایک احتیاط کے غلاف میں لپیٹ کر وہ ان سے ملاقات کرتی۔

سب کچھ ٹھیک تھا تو اس نے ملائکہ کی بات کو اتنا دل پہ کیوں لے لیا تھا۔

شاید سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے اس کی طبیعت بگڑی تو حد درجہ حساسیت کی زد میں آگئی تھی۔ سب کے سوار ہوتے ہی بسیں چل پڑیں۔

یارو یہی دوست ہے، قسمت سے جو ملی ہے
یونہی سنگ چلیں، سب سنگ چلیں
چلتے رہیں ہم سدا

پیچھے لڑکوں کا گروپ کورس میں حلق پھاڑ کر گا رہا تھا۔ علیہ بھی ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ کھڑکی کے پار تیزی سے دوڑتے بھاگتے مناظر کو دیکھتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بڑی اماں! آپ سنائیں، کیا حال ہیں آپ کے؟ کافی کمزور لگ رہی ہیں۔" آج وہ کافی دنوں بعد بیگم مہتاب کے کمرے میں آیا تھا۔

اتنا پوچھنا ہی غضب ڈھا گیا۔ بیگم مہتاب منہ پہ دوپٹا رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

"کیا پوچھتے ہو بیٹا! ایسی گزر رہی ہے۔ دعا کرتی ہوں کہ زندگی کا سورج جلد از جلد غروب ہوجائے۔ ایسی کسمپرسی اور لاچاری کی زندگی، ہم سے نہیں گزاری جاتی۔ کوئی پوچھنے والا نہیں، کوئی بھول کر کمرے میں نہیں جھانکتا۔ مروں جمنوں، کسی کو کوئی پروا نہیں، بوڑھی جان ہر ضرورت کے لیے آوازیں لگانا پڑتی ہیں۔"

"مگر کیوں شاہدہ آپ کے پاس نہیں ہوتی کیا؟" وہ ان کی بات کاٹ کر حیرانی سے بولا۔ شاہدہ، بیگم مہتاب کی خدمت پر مامور ملازمہ کا نام تھا۔

"کہاں وہ منحوس بھی شکل کہیں دکھاتی۔ یہ سارا کیا دھرا نوشابہ کا ہے۔ وہ تو چاہتی ہے کہ ابھی دم دے دوں۔ میرا بوڑھا وجود اس کو کانٹوں کی طرح چبھنے لگا ہے۔"

"ارے نہیں بڑی اماں! امی جان بھلا ایسا کیوں


WWW.PAKSOCIETY.COM

چاہیں گی۔"
وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے آرام سے بولا۔ اب ماں کی شکایت پر وہ اور کیا کہتا۔

"میں امی جان سے کہتا ہوں۔ وہ آپ کا مکمل خیال رکھا کریں۔ آپ بزرگ ہیں آپ کی دعائیں تو ہمارے لیے سرمایہ حیات ہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"ہوں۔ تم خیال کا کہتے ہو۔ یہ دوائیں پلانے کا بھی کوئی روادار نہیں سوچا تھا تمہاری دلہن آئے گی تو اس سے خوب خدمت لوں گی۔ مگر تیرا ابا تو شہری لڑکی بہو بنانے کی بات کر رہا ہے۔ شہری لڑکیاں تو اتنی نازک مزاج اور نخریلی ہوتی ہیں ان سے کیا امید رکھوں؟"

بیگم مہتاب کا لہجہ خاصا مایوسانہ تھا۔ وہ ان کی بات سن کر رک گیا پھر قدرے شگفتگی سے بولا۔

"ارے بڑی اماں! خدمت کیوں نہیں کرے گی۔ محترمہ کو سیدھا کر کے رکھ دوں گا اگر میری بڑی اماں کو خوش نہ رکھا تو۔" وہ اپنے مخصوص مضبوط لہجے میں بولا۔

"جاؤ بیٹا! باتیں کرتے ہو۔ شہر کے لوگ کیا دیکھے بھالے نہیں میں نے۔ ہاں اگر تم اپنی پھپھو اسماء کی بیٹی مہک کے لیے مان جاؤ تو میرا دل خوش ہو سکتا ہے۔ میری اپنی نواسی ہے۔ ڈانٹ کر بھی اس سے کام لے لوں گی۔" وہ بولتے ہوئے آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ ایک لمبی سانس کھینچ کر باہر نکل آیا۔ بڑی اماں اب اس موضوع پر آچکی تھیں جس سے اسے سخت کوفت ہوتی تھی۔ نوشابہ طویل برآمدے میں رکھے منقش چوبی جھولے پہ بیٹھی تھیں۔ ملازمہ حمیداں نیچے بیٹھی ان کے پاؤں دبا رہی تھی۔ اسے آتے دیکھا تو حمیداں وہاں سے چلی گئی۔

"امی جان! شاہدہ کو میں نے کہا تھا کہ دن رات اس نے بڑی اماں کے ساتھ رہنا ہے۔ ان کی ضروریات پوری کرنی ہیں۔ مگر وہ مجھے اندر دکھائی نہیں دی۔" وہ ماں کے پاس جھولے پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ارے بیٹا! اماں کسی کو ٹکنے بھی دیں تو۔ جو ملازمہ ان کے لیے مستقل رکھی، دو دن میں انہوں نے باہر نکال دی۔ کوئی ٹھیک سے ٹانگیں نہیں دباتی تو کسی سے انہیں بو آتی ہے۔" نوشابہ بیگم جیسے عاجز ہو کر بولی تھیں۔

"پھر بھی امی جان! اتنی بوڑھی جان کو تنہا چھوڑنا ٹھیک نہیں۔" اس نے ادب سے کہا۔

"شہر نواز! اماں اتنا ذلیل کرتی ہیں ملازماؤں کو کہ حد نہیں، کھانا پسند نہ آنے پر کھانا ان پہ الٹ بھی دیتی ہیں، جو دوائی پلائیں، وہ ٹھیک سے نہیں پیتیں کہ کڑوی ہے۔ ان کا کچھ نہیں ہو سکتا۔ عمر کا بھی یہی تقاضا ہے۔" نوشابہ لاپروائی سے بولیں۔

جتنی شکایات بیگم مہتاب کو ان سے تھیں، اتنی ہی شکایات نوشابہ کو بھی ان سے تھیں، شہر نواز ماں اور دادی کی باہمی چپقلش سے بھی بخوبی واقف تھا اس لیے شاہدہ کو کچن سے بلا کر بیگم مہتاب کے کمرے میں بھیج دیا۔

بیگم مہتاب اپنی جوانی کے دور میں ایک دبنگ اور بارعب ملکانی تھیں۔ پوری حویلی میں ان کا سکہ چلتا تھا۔ نوشابہ جو اس حویلی کی اکلوتی بہو تھیں۔ ان کے اشارہ ابرو پر چلتی تھیں۔ گاؤں کے شادی بیاہ اور دیگر انتہائی ذاتی معاملات میں عورتیں ان سے مشاورت لیتی تھیں۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی سلطنت کا سورج غروب ہو گیا۔ چوہدری اللہ نواز منوں مٹی تلے جا سوئے۔ اکلوتے بیٹے خالق نواز کی اولاد جوان ہو گئی۔ بہو نوشابہ ان کی جگہ لے لی تھی۔

بیٹا اور دونوں پوتے فرماں بردار تھے۔ خصوصاً" چھوٹے پوتے شہر نواز سے تو انہیں خصوصی لگاؤ تھا۔ شہر نواز کی قربت میں انہیں تقویت ملتی تھی۔ اپنے اس وجیہہ اور باوقار پوتے سے انہیں ڈھیروں توقعات تھیں۔ اس لیے ہر قسم کا گلہ شکوہ اس سے کر لیا کرتی تھیں۔

شہر نواز ایک زیرک اور فہیم نوجوان تھا۔ اس کے ذہن رسا نے سمجھ لیا کہ بیگم مہتاب بدلے ہوئے وقت سے سمجھوتہ نہیں کر پا رہی ہیں۔ تبھی تو انہیں ہر ایک سے شکایت رہتی تھی۔ وہ ان کی شکایات دور کرنے کا


WWW.PAKSOCIETY.COM

طریقہ سوچ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات ایک بجے کالج بس نے اسے گھر کے گیٹ پہ ڈراپ کیا تھا۔ بنگلے کی نصف بتیاں بجھ چکی تھیں۔ ملازمین اپنے اپنے کوارٹرز میں جا چکے تھے صرف زینت بوا اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور صبیح پیشانی چوم لی تھی۔

"اوکے بوا! صبح تفصیل سے بات ہوگی۔ مجھے اس وقت سخت نیند آرہی ہے۔" وہ نرمی سے کہتی اوپر اپنے بیڈ روم میں آگئی۔ لمبے سفر' تھکاوٹ اور خرابی طبیعت کی بنا پر اسے بیڈ پر لیٹتے ہی ٹوٹ کے نیند آئی تھی۔

اگلے دن گیارہ بجے کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو طبیعت کی گرانی میں قدرے کمی محسوس ہوئی۔ فوراً اٹھ کر شاور لیا اور کافی حد تک فریش ہو کر نیچے آگئی۔

"بیٹا! آپ ناشتا تو نہیں کریں گی۔ دوپہر کا کھانا بن رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد لنچ کر لیجیے گا۔" زینت بوا عقب میں آکر پوچھ رہی تھیں۔

"جی بوا! فریش ایپل جوس لا دیجیے۔ بس اب ڈٹ کے لنچ کروں گی۔ کئی دنوں بعد گھر کا کھانا کھاؤں گی۔" اس نے قدرے مڑ کر ادب سے جواب دیا۔

زینت بوا نے لنچ پہ اس کی تمام فیورٹ ڈشز بنوائی تھیں۔ انہیں وہ پہلے کی نسبت کمزور لگی تھی۔ اس کا اظہار انہوں نے کر بھی دیا۔

"جی بوا! موسم میں فرق تھا نا' اس لیے طبیعت ذرا اپ سیٹ رہی۔"

سانپ کاٹنے والی بات وہ گول کر گئی کہ مبادا بوا پریشان نہ ہوں۔

"میں دعا کرتی تھی بٹیا جلد لوٹ آئیں' مجھے تو خالی گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ ہر چیز ایک دم سے سونی سونی اور ویران لگ رہی تھی۔" بوا اس کے نرم گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے بول رہی تھیں۔

"بوا! اگر آپ اتنی تنہائی فیل کر رہی تھیں تو بائے گاڈ آئندہ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ محبت سے ان کے کندھے پر سر ٹکاتے ہوئے بولی۔

"نہیں بیٹا! یہ ممکن نہیں کہ میں اور آپ سدا ایک ساتھ رہیں۔ ہمارا بچھڑنا تو طے ہے۔ بیٹیوں کو ایک نہ ایک دن تو اپنے گھر جانا ہی ہوتا ہے۔" زینت بوا گہری یاسیت سے بول رہی تھیں۔

"خدانخواستہ! ہم کیوں بچھڑیں۔ آپ کا اور میرا ساتھ تو ساری زندگی کا ہے۔ جو بھی مجھ سے شادی کرے گا اسے یہاں اس گھر میں آکر رہنا پڑے گا۔ ہماری بوا پیچھے اکیلی کیوں رہیں۔ میری طرح انہیں محبت اور عزت دینی ہوگی۔" وہ ٹھوس لہجے میں اپنے ارادے ظاہر کر رہی تھی۔

"محبت اور عزت تک تو ٹھیک ہے۔ مگر یہ گھر داماد بنانے والی بات ذرا پسند نہیں آئی۔" بوا قدرے شگفتہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولیں۔

"کیوں پسند نہیں آئی۔ میری فرینڈ ربیعہ کی بڑی بہن کا ہسبینڈ ان کے گھر آکر رہتا ہے۔"

"مگر بیٹا یہ کوئی ایسی اچھی بات ہے؟ ربیعہ کا بہنوئی چھڑا چھانٹ' بن ماں باپ کا بچہ ادھر ربیعہ اور رفیعہ دو بہنیں' نہ کوئی بھائی نہ زیادہ رشتے۔ آرام سے داماد بیٹا بن گیا۔ مگر ہماری حالقہ رانی کا راجا نہ تو چھڑا چھانٹ ہے نہ اکوا ک۔ پوری ایک حویلی میں خاندان بستا ہے۔ ماں' باپ' بہن بھائی بھابھی......"

"بوا؟" وہ جھٹکے سے سیدھی ہو بیٹھی۔ سنجیدگی سے بوا کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔ کہیں کوئی مذاق کا شائبہ نہ تھا۔ اس کے چہرے کے عضلات ایک دم سے تن گئے تھے۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ہاں بیٹا! آپ سیر پہ گئی ہوئی تھیں' آصف میاں کے دوست اپنے بیٹے کے لیے آپ کا رشتہ لے کر آئے تھے۔ خواتین آکر مل گئی ہیں بہت اچھے لوگ ہیں۔ نہ پیسے کا غرور' نہ جاہ کی نمائش' پورے گاؤں کے وڈیرے ہیں۔ کئی ملیں اور زرعی فارم ہیں۔" بوا خاصی



WWW.PAKSOCIETY.COM

عقیدت سے خوبیاں گنوا رہی تھیں' وہ چپ چاپ انہیں سنے جارہی تھی۔

"پاپا نے مجھ سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا اور میرا رشتہ طے کردیا۔" وہ ٹوٹی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"خدانخواستہ پوچھیں گے کیوں نہیں۔ حتمی جواب تو آپ کی رائے لے کر ہی دیں گے نا۔ یہ تو فی الحال رشتے کی بات ڈالی ہے انہوں نے۔ آصف میاں نے کہا کہ میں آپ کے کان میں ڈال دوں تاکہ آپ اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دیں۔ آپ کا فیصلہ ہی ان کا فیصلہ ہے۔ کوئی زور زبردستی تھوڑی ہے۔" بوا نے پیار سے پچکارا تھا۔

"ہاں نہیں کی۔ مگر یہ بھی دیکھیں کہ ان کی نظر انتخاب کون ہے۔ ایک گاؤں کا باسی۔ کیا میں ایک دیہاتی ماحول میں رہ سکتی ہوں۔ بے شک آسائشات سے آراستہ ہو وہ گھر۔" وہ شاکی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ارے بیٹا! رائے قائم کرنے میں عجلت نہ کرو۔ وہ سلجھے ہوئے باشعور لوگ ہیں۔ لڑکا پڑھا لکھا اور کاروباری ہے۔ آصف میاں بہت تعریف کر رہے تھے۔ باادب' شریف اور نیک نبھاؤ۔" زینت بوا اسے سوچوں کے گہرے گرداب میں دھکیل کر کام نمٹانے لگ گئیں۔

"پاپا کا ذرا دل بھی نہیں کانپا میرے لیے ایسا فیصلہ کرتے ہوئے۔ ایسے آنہ کو گاؤں میں رہنے بھیجیں گے۔ لامعہ آنٹی جان کو نہیں آجائیں گی۔ مجھے گنوار اور چٹے ان پڑھ پسند ہی نہیں ہیں کجا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ پوری زندگی گزارنا۔" اس کی رنجیدگی بڑھتی جارہی تھی۔ جب کہ بوا جو رشتے سے خاصی خوش تھیں' برملا اپنی رائے کا اظہار کرتی رہتی تھیں۔

"زندگی کا ساتھی عزت اور وقار دینے والا ہو تو گاؤں شہر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ اتنا بڑا گھر۔ یاد نہیں ہر سال جو موسمی پھلوں کے کریٹ کے کریٹ ادھر آتے ہیں یہ خالق نواز کے باغات کے تو ہی ہوتے ہیں۔ یہ شہد کی بڑی بڑی بوتلیں' خالص کھنڈ' واہ کیا خالص سوغات بھیجتے ہیں۔"

بوا تو اس حد تک مہمانوں کی گرویدہ تھیں کہ جھوم جھوم کر ان کی صفات بیان کرتی رہتیں۔

"آپ پر تا حویلی والوں کا جادو چل گیا ہے ان سوغات کا میری خوشیوں سے کیا تعلق۔ آپ میری پریشانی نہیں سمجھ سکتیں' کوئی تو ہو جسے میرے احساسات کی پروا ہو۔" وہ پاؤں پٹخ کر اپنے بیڈ روم میں آگئی۔ اس کی انگلیاں علیہ کا نمبر دبا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"تو تمہارے خیال میں اس مسئلے کا بس یہی حل ہے؟" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے دل نواز نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تو آپ کے خیال میں اور کیا حل ہو سکتا ہے؟" جواباً وہ متانت سے گویا ہوا۔

"نہیں گورنس رکھنے میں کوئی مضائقہ تو نہیں۔ اگر بڑی اماں مطمئن ہو جائیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" دل نواز نے بات متانت سے مکمل کی۔

اس وقت ان دونوں کے درمیان رکھی میز پر ناشتے کے لوازمات کے ساتھ ساتھ آج کا تازہ اخبار بھی پڑا تھا جس میں 'ضرورت ہے' کے کالم میں شہر نواز کی طرف سے ایک خاتون کیئر ٹیکر کی ضرورت کا اشتہار چھپا تھا۔ ایسی خاتون جو حویلی آکر بیگم مہتاب کی تمام ضروریات کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت ان کے ساتھ رہے' تنخواہ اور دیگر مراعات کا تفصیل سے ذکر موجود تھا۔

"دیکھیں بھائی! بڑی اماں اب عمر کے اس دور میں موجود ہیں کہ انہیں ہر دم ایک غمگسار اور صابر و متحمل ساتھی کی ضرورت ہے۔ ان کا چڑچڑاپن' جذباتی و غصیلا انداز ان کی عمر کی دین ہے۔ یہاں حویلی میں کوئی بھی ان کے احساسات کو سمجھنے پہ یا تو تیار نہیں یا کسی کے پاس ٹائم نہیں۔ امی اور بھابھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف اور ملازماؤں کو بڑی اماں کسی نہ کسی بات


WWW.PAKSOCIETY.COM

پہ بھگا دیتی ہیں۔ اب کل کا دن ہی دیکھ لیں۔ سارا دن نہ کوئی میڈیسن لی نہ کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ ابو نے آ کر سو منتوں سے کھانا کھلایا۔"

پراٹھا قیمہ' یخنی اور بوائل ایگ' ناشتے کے تمام لوازمات سے مکمل انصاف کرتے ہوئے وہ دل نواز کو صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا۔ دل نواز نے اس کی تمام باتوں کے جواب میں ایک ہنکارا بھرا تھا۔ اس کی بیوی ماہین واقعی بڑی اماں کے کمرے میں جھانکتی نہیں تھی کیونکہ وہ ان دنوں امید سے تھی۔ ہر آئے دن شہر اس کے چیک اپ کی خاطر چکر لگتے رہتے تھے۔

صرف خوب صورتی ہی نہیں۔ پیسا بھی تو نزاکت دیتا ہے۔ ابھی ڈلیوری میں کافی وقت پڑا تھا' مگر ماہین سارا وقت بستر پر دراز ہو کر ہی گزارتی تھی۔ ایک مستقل ملازمہ ہمہ وقت خدمت پر کمر بستہ۔ ضروریات کی ہر شے کمرے میں موجود۔

بیٹے مہر نواز کے لیے بھی ایک الگ سے ملازمہ وقف تھی۔ سو ایسی نازک طبیعت کی حامل خوب صورت اور من چاہی بیوی کو دل نواز کیونکر کہہ سکتا تھا کہ وہ جا کر اس کی دادی کے پاس بھی بیٹھ کر دو چار باتیں کر اور سن لیا کرے۔

"تنخواہ میں نے کافی پر کشش رکھی ہے' ان شاءاللہ کوئی نہ کوئی امیدوار آ ہی جائے گی۔" چائے کا کپ لبوں پہ لگاتے ہوئے شہر نواز نے کہا۔ پھر فرنٹ پیج سامنے پھیلا لیا۔

✡ ✡ ✡

میراب ہمدانی ایک فلاحی تنظیم کی چیئر پرسن تھی۔ اس تنظیم کے قیام کا مقصد غریب اور پسماندہ علاقوں میں صفائی' تعلیم' روزگار اور صحت کی سہولیات پہنچانا تھا۔

اپنے پاپا ڈاکٹر غیاث ہمدانی اور ماما ڈاکٹر شہلا ہمدانی کی ذاتی دلچسپی اور توجہ کی وجہ سے اسے بیرون ملک سے کافی ڈونرز مل جاتے تھے' تبھی تو اس کی فاؤنڈیشن اپنے مقاصد کے حصول میں کافی حد تک کامیاب جا رہی تھی۔

ابھی کل ہی وہ گلاسکو سے ایک چیریٹی ڈنر اٹینڈ کر کے پاکستان لوٹی تھی۔ اس کا وزٹ کامیاب رہا تھا۔ گلاسگو کے علاوہ مشی گن کی بھی پاکستانی کمیونٹی نے دل کھول کر اس کی فاؤنڈیشن کو ڈونیٹ کیا تھا۔

"یقیناً" تم کل گھر پہ سارا دن ریسٹ کرو گی۔" گرم دودھ کا گلاس اس کے بیڈ روم میں اندر لائے ہوئے شہلا ہمدانی حکمیہ انداز میں بولی تھیں۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے' ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز تھی۔ لیپ ٹاپ اس کے پیٹ پہ رکھا تھا جس پہ وہ تیزی سے اپنا ہوم ورک سمرائز کر رہی تھی۔

"نو ماما! مجھے اسی ویک کسی بھی ٹائم ان ایریاز کا وزٹ کرنا ہے جو ہمارے ٹارگٹس میں آتے ہیں۔ میں خود وہاں کی کمیونٹی سے مل کر ان کے حال جاننا چاہوں گی۔ میرا اسسٹنٹ ایک محنتی آدمی ہے۔ مگر مجھے خود آگے بڑھ کر سارا کچھ دیکھنا ہو گا۔"

وہ دودھ کا گلاس ان کے ہاتھ سے لے کر غٹاغٹ سارا چڑھا گئی۔

"میرب! سویٹ ہارٹ' اپنے کام کے لیے تمہارا یہ جنون مجھے پریشان کر کے رکھ دیتا ہے۔ ایسا بھی کیا سوشل ورک کہ انسان اپنے لیے بھی وقت نہ نکال سکے۔ کل ہی اسٹیٹس سے لوٹی ہو۔ پھر دھول مٹی سے اٹے ماحول کے چکر۔ خدارا۔ کچھ رحم کرو خود پر۔ کبھی پارلر کا چکر لگاؤ۔ اپنی اسکن دیکھو۔ بال اتنے رف۔" شہلا ہمدانی اس کے سراپے کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے بولیں۔

بلو جینز کے اوپر امبرائیڈڈ گول دامن والی قمیص گھونگھریالے بالوں کا جتھا پیچھے ایک کیچر میں مقید تھا۔ موٹے بلیک فریم کے گلاسز سے پیچھے ذہین چمک دار آنکھیں اسکرین پہ جمی تھیں۔

"ماما! اچھی خاصی تو ہوں۔ جب کوئی فیملی فنکشن ہو گا تو کسی پارلر کا چکر لگا لوں گی۔ ویسے بھی لوگ کہتے ہیں آپ کی بیٹی جتنی دکھنے میں خوب صورت ہے۔ اتنی ہی من کی بھی خوب صورت ہے۔ کیا خیال ہے؟"

عینک ہاتھ سے درست کرتے ہوئے وہ شرارتی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں! یہ تو ہے۔ میری بیٹی پہ تو صورت و سیرت دونوں ختم ہیں۔" شہلا کے لہجے میں اس کی ذات کے حوالے سے مخصوص تفاخر چھلک رہا تھا۔

"کہتے ہیں کہ جب آپ کسی اچھے کام کے لیے قدم بڑھاؤ تو دس مددگار ہاتھ آپ کی طرف مدد کے لیے بڑھتے ہیں۔ اب جو رورل ایریا میں نے سلیکٹ کیا ہے۔ خوش قسمتی سے وہاں کا لینڈلارڈ میرا یونیورسٹی فیلو نکل آیا ہے۔ وہ بھی اس پروجیکٹ میں اپنا شیئر شامل کرنا چاہتا ہے۔ کل وہ اسی پروجیکٹ کے حوالے سے اہم ڈسکشن کرنے کے لیے مجھ سے ملنے آرہا ہے۔" طمانیت سے لبریز لہجے میں وہ شہلا کو بتا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"شہر نواز بیٹا! آپ شہر جا رہے ہو؟" نوشابہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔

"جی امی! ذرا ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں کسی سے ملاقات کرنی ہے۔ آپ بتائیے۔ کچھ لانا ہے آپ کے لیے؟" وہ ادب سے پوچھنے لگا۔

"نہیں بیٹا! لانا نہیں بلکہ دینا ہے۔ آپ کے ابو نے کہا ہے کہ شہر نواز سے کہو ان کے دوست آصف بھائی کے ہاں خالص شہد کی بوتلیں اور دیسی گھی کے ڈبے بھیجنے ہیں۔"

"کمال کرتی ہیں امی! اب یہ ایسی چیزیں دینے میں ان کے گھر جاؤں۔" وہ کوفت سے بولا۔

"تو میرے بھائی! اگر کہتے ہو تو انگوٹھی اور دیگر ساز و سامان بھی لے کر چلتے ہیں۔ بات پکی کر کے ہی لوٹیں گے۔"

ماہین اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔ جواب میں وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

"ارے وہ کوئی حتمی جواب دیں تو ہم بھی کچھ لے جائیں۔ آصف بھائی اس ماہ دبئی سے آئیں گے تو جواب دیں گے۔ پھر ایسے تحفے تحائف کی باری آئے گی۔ ان شاء اللہ خوب لد پھند کر جاؤں گی شہر۔" نوشابہ کے لہجے میں خوشی کی کھنک تھی۔

"تو جب آصف چچا دبئی میں ہیں۔ گھر پہ نہیں تو مجھے جانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ ان کی باتوں سے یہ بات پکڑ سکا تھا۔

"تو کیا ہوا؟ اگر وہ نہیں ہیں تو ان کی صاحب زادی تو ہو گی ناں۔ اسے دیکھ لینا۔ بلکہ اپنی طرف سے کوئی گفٹ لیتے جاؤ۔ متاثر ہو جائے گی۔ پرسنالٹی لاکھ اچھی ہو مگر دل جیتنے کے لیے کچھ محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔" ماہین مسلسل آمادہ بہ شرارت تھی۔ وہ جواب میں اتنا گویا ہوا۔

"یہ آپ مجھے اپنا تجربہ بتا رہی ہیں کہ بھائی دل نواز نے ایسے دل جیتا تھا آپ کا؟"

"شہر نواز!" ماہین محض آنکھیں نکال کر رہ گئی تھی۔ نوشابہ ہنس پڑیں۔ قدرے توقف سے بولیں۔

"تو پھر میں تحفے تیار کرتی ہوں۔ آپ کی گاڑی میں رکھوا بھی دیتی ہوں۔ یاد سے انہیں دے ضرور دینا۔"

"امی! مجھے اچھا نہیں لگتا ایسے بوتلیں اور ڈبے اٹھا کر کسی کے گھر جاتے ہوئے۔ اگر میں ڈسکشن سے فری ہوا تو دے دوں گا ورنہ معذرت۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا تھا۔

"یہ معذرت اپنے باپ سے جا کر کر لو تو بہتر ہے۔" نوشابہ بے نیازی سے کہتی نکل گئیں تو وہ محض سانس بھر کر رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"دیکھیں میرب! ہمارے گاؤں میں حکومتی منصوبوں کے تحت ترقیاتی کام ہو تو رہا ہے مگر یہ سست روی کا شکار ہے۔ تعلیمی رجحان بھی کافی کم ہے۔ مگر الحمدللہ روزگار کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ گاؤں کا ہر فرد پیٹ بھر کر سوتا ہے۔ ہماری اپنی رائس اور شوگر ملز ہیں گاؤں کے مرد کام کرتے ہیں۔ عورتیں ہمارے ہی کھیتوں میں کام کاج کر کے اناج وغیرہ حاصل کر لیتی ہیں۔ مگر چاہتا ہوں کہ آپ کی این جی او کے تحت ہیلتھ


WWW.PAKSOCIETY.COM

یونٹ قائم کیے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ بالخصوص گائنی کے شعبہ میں۔"

وہ میرب کے آفس میں اس کے روبرو بیٹھا' دوٹوک اور واضح انداز میں اپنا نقطۂ نظر پیش کر رہا تھا۔ ملازم خاطر تواضع کے لوازمات سرو کرنے لگ گیا تھا۔ میرب اس کی باتوں کے جواب میں اثبات میں سرہلا کر بولی۔

"جی شہر نواز! میں جانتی ہوں کہ ہیلتھ کے حوالے سے گاؤں میں کافی پرابلمز پیش آتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر حاملہ خواتین کو بروقت اور جلد ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارا مین فوکس بھی یہی ہوگا۔ باقی فیلڈ ورک سے ہی پرابلمز کا علم ہوگا۔ اسی حوالے سے ترجیحات فکس کرلی جائیں گی۔ آپ یہ چیزیں لیں نا۔" بولتے بولتے میرب کو آداب مہمانی یاد آ گئے۔ شہر نواز نے چائے کا کپ اٹھالیا۔

"جی بالکل! آپ کے ہر پروجیکٹ میں میرا تعاون خاص ضرور شامل ہوگا۔ اپنے علاقے کی بہتری و فلاح کے لیے تو ہم کام کرتے ہی رہتے ہیں۔ مگر آپ کی فاؤنڈیشن کے تحت یہ کام ذرا پراپر طریقے سے ہوں گے۔" چیئر کی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ ریلیکس انداز میں گویا ہوا۔

پین ونڈوز سے دھوپ سیدھی اندر پڑ رہی تھی۔ آفس بے حد شاندار انداز میں ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔ میرب نے آفس گھر کے اندر ہی سیٹ کیا ہوا تھا۔ فلاحی پروجیکٹ سے ہوتے ہوئے ان کی باتوں کا رخ یونیورسٹی لائف کی طرف چل پڑا۔ کئی پرانے دوستوں اور اساتذہ کا تذکرہ۔۔۔ کئی خوشی کے لمحات۔۔۔ الیکشن' ایگزامز' ٹرپس' گروپس' ہنگامے' کتنا کچھ انہوں نے ڈسکس کرلیا تھا۔

ہلکی پھلکی اور خوش گوار باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ وہ تو جب اندر پڑتی دھوپ نے رخ بدلا تو وہ چونک اٹھا تھا۔

"اوکے میرب! مجھے کہیں اور بھی جانا ہے۔" وہ کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"جی! کس سے ملنا ہے آپ کو؟" اس کے ہارن دینے پہ گیٹ تو نہیں وا ہوا تھا البتہ چوکیدار بغلی دروازے سے نکل آیا تھا اور اب بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے کھردرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"مجھے آصف شیرازی انکل سے ملنا ہے۔ یہ ان کا ہی گھر ہے نا؟" وہ بلیک گلاسز اتارتے ہوئے شائستگی سے بولا۔ نیم پلیٹ سے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ مطلوبہ مقام پہ پہنچ چکا ہے۔

"جی! ان کا ہی ہے گھر۔ وہ گھر میں نہیں ہیں۔ دبئی میں ہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔"

گل محمد نے صاف رکھائی سے اسے جواب دے دیا' کیونکہ صاحب کا یہی حکم تھا کہ ان کی غیر موجودگی میں کسی انجان فرد یا گاڑی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ سوائے حائقہ بی بی کی دوست علیہ بی بی کی گاڑی کے۔ کیونکہ سبھی جانتے تھے کہ آصف شیرازی باہر مقیم ہیں اور گھر میں حائقہ اور بوا زینت دو تنہا خواتین ہیں بے شک وفادار اور معتمد ملازم بھی ساتھ رہتے ہیں مگر پھر بھی احتیاط لازم ہے۔

شان دار لینڈ کروزر میں بیٹھا ہوا یہ اونچا لمبا وجیہہ نوجوان گل محمد کو متاثر تو کر رہا تھا مگر پھر بھی وہ اس کے لیے ایسے گیٹ نہیں کھول سکتا تھا جب تک وہ اپنی پہچان نہیں کرواتا۔

"لو جی! ابو جان اس گھر کے داماد بنانا چاہتے ہیں اور ادھر ہے کہ مشکوک سمجھ کر دروازے پہ ہی روک دیا گیا ہے۔" وہ دل میں خالق نواز کے فیصلے پر اش اش کر اٹھا تھا۔

"دیکھیں۔ مجھے بھی علم ہے کہ شیرازی انکل اکثر باہر رہتے ہیں۔ یہ میرے والد صاحب چوہدری خالق نواز نے ان کے لیے چند تحائف بھجوائے ہیں۔ آپ انہیں دے دیجیے گا۔" اب کے اس نے ساتھ رکھے کارٹن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا تاکہ گل محمد کے حوالے یہ کارٹن کر دے۔

"اچھا اچھا آپ اس چوہدری صاحب کے بیٹے ہیں جو صاحب سے ملنے اکثر آتے رہتے ہیں۔"



WWW.PAKSOCIETY.COM

گل محمد لمحوں میں پہچان کے مراحل طے کر گیا تھا۔
"آیئے آیئے اندر آیئے۔" وہ گیٹ کھول چکا تھا۔
اب اندر جائے بنا چارہ نہ تھا۔

صاحب تو اپنے اس دوست کی بہت عزت کرتے تھے۔ اکثر ان کے گاؤں جاتے رہتے تھے۔ ایسے میں اس حویلی کے فرد کو باہر کھڑا رکھنے پر بھی صاحب اس سے خوب ناراض ہو سکتے تھے۔

"آپ اندر چلیے میں یہ کارٹن اٹھا لیتا ہوں۔" گل محمد کی معیت میں چلتے ہوئے اس نے دونوں بازو پیچھے باندھ کر سر اٹھا کر اس دو منزلہ بنگلے کو دیکھا تھا۔ سفید و گلابی چمکیلی ٹائلوں سے مزین یہ عمارت سبزے سے ڈھکی ہوئی تھی۔

بوا زینت تک بھی اس کی آمد کی اطلاع پہنچ گئی اس کی متاثر کن شخصیت اور چہرے پہ چھائی شرافت سے وہ اتنا تو اندازہ کر چکی تھیں کہ یہی اس گھر کا ہونے والا داماد ہے۔ پھر بھی دل کی تسلی کو پوچھ لیا۔
"آپ بیٹا! شہر نواز ہو نا؟"

"جی جی میں شہر نواز ہوں۔ ابو جی نے کچھ چیزیں انکل کے لیے بھجوائی ہیں۔ انہیں دینے کے لیے حاضر ہوا تھا۔" وہ متوازن لہجے میں گویا ہوا۔ بوا زینت کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خاطر داری کے لیے کیا کچھ نہ کریں۔ فوراً" سلمٰی کے ساتھ ڈھیروں لوازمات ڈرائنگ روم میں پہنچائے۔

"ان سب کی ضرورت نہیں تھی۔ میں چائے ابھی پی کر آیا ہوں۔ بس چلتا ہوں۔" وہ لوازمات سے بھری میز پر نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

"ارے نہیں بیٹا! آپ اس گھر کے ہونے والے داماد ہو۔ آپ کی جتنی عزت خاطر کی جائے کم ہے۔ آپ کھانا کھا کر جائیے گا۔" بوا دوپٹا درست کرتے ہوئے عاجزی سے بولیں۔ اور فروٹ کیک ڈال کے پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"ولیں! امی کہتی ہیں کہ ابھی ان لوگوں نے "ہاں" نہیں کی اور یہ خاتون کہہ رہی ہیں داماد۔" اس نے دل ہی دل میں اچنبھے سے کہا۔

ویسے وہ شیرازی ہاؤس میں داخل ہوتے ہی ایک شگفتہ سے احساس میں گھر گیا تھا۔ اس کے محسوسات میں ایک دم سے تبدیلی آئی تھی۔ اس نے گردن گھما کر ڈرائنگ روم کا جائزہ لیا۔ کہیں سے بھی "وہ" دکھائی نہ دی تھی۔ جس کی ایک جھلک دیکھنے کی چاہ بڑے چپکے سے اس کے من کے ایک کونے میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ اوپر سیڑھیوں پہ بھی نظر ڈالی جہاں سے بوا ابھی اوپر گئی تھیں۔

"اٹھو بیٹا! آکر سلام تو کر لو۔ بے شک پھر واپس چلی آنا۔"

اوپر بوا خائقہ کی منت سماجت کر رہی تھیں، مگر اس پہ کوئی اثر ہی نہ ہو پا رہا تھا۔ ہنوز اوندھی لیٹی ٹی وی پہ کوئی کارٹون موی دیکھنے میں مگن تھی۔

"کیا کہیں گے وہ۔ پہلے ہی چکر میں اتنی عزت افزائی تو آگے کیا ہوگا۔" بوا اب قدرے خفگی سے کہہ رہی تھیں۔ مگر ادھر کوئی اثر نہ ہوا۔

"افوہ بوا! جب میں نے وہاں شادی ہی نہیں کرنی تو موصوف سے ملنے نہ ملنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اچھا ہے نہیں ملوں گی تو سمجھ جائے گا کہ ہمارا کیا ارادہ ہے۔"

اسکرین پہ نظریں جمائے دو ٹوک انداز میں بولی تھی۔ بوا کچھ دیر تو اس کے سر پر کھڑی خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔ پھر ایک تھکی ہاری سانس کھینچ کر نیچے آگئیں۔

"اوکے میں پھر چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
نجانے اس بزرگ خاتون کا چہرہ اسے پہلے کی نسبت بجھا ہوا کیوں محسوس ہوا تھا۔ اوپر یہ "کچھ" لانے تو گئی تھیں کہ جاتے وقت ان کے قدموں کی پھرتی اور لبوں پہ پھیلی دھیمی دھیمی مسکان اور اب شرمندہ شرمندہ بجھا ہوا پژمردہ انداز۔ جیسے کوئی "خالی ہاتھ" آکھڑا ہو۔

اس کے نکتہ رس ذہن نے فوراً" بوا زینت کے چہرے سے کافی کچھ اخذ کر لیا تھا۔

"آپ کھانا کھا کر جاتے تو ہمیں خوشی ہوتی۔" بوا کمزور آواز میں بولیں۔


WWW.PAKSOCIETY.COM

"جی نہیں۔ دیر ہو رہی ہے۔ مجھے گھر بھی پہنچنا ہے۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بلا ارادہ اس کی نظر اوپری منزل کی طرف گئی تھی۔ کسی دریچے پہ کوئی رنگین آنچل نہ لہرایا تھا۔

وہ سر جھٹک کر گاڑی باہر لے آیا۔

☆ ☆ ☆

"دیہاتی ہونا بس آپ کے نزدیک صرف یہی وجہ اعتراض ہے؟"

سینے پہ بازو باندھے آصف شیرازی اس سے بے حد سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔ گلاسز سے پیچھے آنکھیں اس کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ کل ہی پاکستان پہنچے تھے۔ ہمیشہ کی طرح اس کے اور بوا کے لیے لامعہ کے خریدے گئے گفٹس حوالے کیے اور آج اسے جواب لینے کی خاطر اپنے بیڈ روم میں بلا لیا تھا۔

"پاپا! یہ اعتراض کیا کوئی کم ہے؟" اس نے کافی دیر سے جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا اور انہیں حیرانی سے دیکھا تھا۔

"دیکھو بیٹا! کسی انسان کو پسند' ناپسند کرنے کی وجہ اس کا کردار' اخلاق اور عادات ہوتی ہیں نا کہ اس کا ماحول جس میں وہ رہتا ہے۔ اچھے برے لوگ ہر جگہ۔ ہر کہیں پائے جاتے ہیں۔ چاہے وہ دیہات ہو یا شہر۔ گاؤں میں جہالت' فرسودہ رسمیں ہیں تو وہاں انسان دوستی' محبت اور اخوت کی بھی لازوال مثالیں ہیں۔ آپ شہروں کی مادہ وجاہ پرستی نہ لو' بے حد مشینی انداز زندگی کو نظر انداز کرو صرف شہر والوں کی تعلیم اور روقت کو اہمیت دینے کی کوالٹی پر نظر رکھو اور ادھر گاؤں کے پسماندہ ماحول کو ایک طرف رکھ کر ان کی باہمی محبت و یگانگت اور رشتوں سے والہانہ لگاؤ اپناؤ۔ دونوں طرف سے اچھی چیزیں لو اور بری چیزیں نظر انداز کر دو۔ سمپل۔"

"مگر پاپا! ہماری ایک ٹیچر ممتاز کی شادی ایک ویلجر سے ہوئی تھی۔ اس ویلجر نے انہیں مار پیٹ کر ڈائیورس دے دی ہے۔" وہ روہانسی ہو کر شکایتی انداز میں بولی تھی۔

آصف شیرازی جیسے اس کی معصومیت پہ مسکرا اٹھے تھے۔

"تو میری جان! یہی چیز تو میں آپ کو سمجھا رہا ہوں۔ لوگ برے ہوتے ہیں۔ ان کا طرز زندگی یا ماحول نہیں۔ اب میرے خالہ زاد بھائی سہیل نے اپنی اچھی خاصی پڑھی لکھی خوب صورت بیوی کو بے بنیاد شکوک کی بنا پر ڈائیورس دے دی کہ اس کے کسی اور کزن کے ساتھ قریبی مراسم ہیں۔ اب سہیل جس کا گلف میں اتنا بڑا بزنس ہے۔ اسے یہ ناپسندیدہ فیصلہ کرتے ہوئے نہ اپنے تین بچوں کا خیال آیا اور نہ اپنے بوڑھے چچا چچی کا جن کی بیٹی کو وہ داغ لگا چکا ہے۔ سہیل کی ذہانت اور قابلیت کو ایک کاروباری دنیا جانتی اور مانتی ہے مگر گھریلو معاملات میں وہ بے حد شکی اور کان کا کچا مرد ثابت ہوا۔"

آصف شیرازی ہموار و متوازن لہجے میں بول رہے تھے۔ وہ مسلسل خاموش بیٹھی بس انگلیاں موڑتی رہی۔

"شہر نواز اپنی عادات اور کردار کی وجہ سے مجھے تو اچھا لگا ہے۔ اس میں وہ ساری کوالٹیز موجود ہیں جو میں اپنے داماد میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ محنتی' باشعور' بڑوں کا احترام کرنے والا اور نیک نبھاؤ۔ لیکن پھر بھی اگر آپ رضامند نہیں ہیں تو میں آپ کو فورس نہیں کروں گا۔ لامعہ بھی اپنے کافی سارے کزنز کے پروپوزلز میرے سامنے رکھتی رہتی ہے۔ یہ نہیں تو آپشنز تو اور بھی ہیں۔ سارے کے سارے ایجوکیٹڈ ویل سیٹلڈ۔ ایکسکیوزمی۔"

آصف کے سیل پہ کال آ رہی تھی انہوں نے سیل فون کان پہ لگا لیا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر اندر آ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆



WWW.PAKSOCIETY.COM

علیہ اپنی خالہ زاد بہن کی شادی میں پنڈی گئی ہوئی تھی جاتے ہوئے اس سے بہت کہا کہ وہ بھی چلے۔ مگر حائقہ نے جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

اس کے شب و روز بے حد بے کیف اور پژمردہ گزر رہے تھے۔ نہ کسی کام میں جی لگتا اور نہ ہی اب تک کوئی کام ٹھیک طرح سے اس سے ہو پایا تھا۔

کھرپی لے کر ایک دن پودوں کی گوڈی کی مگر جلد ہی اکتا کر مالی کو واپس کر دی۔ اپنے بیڈ روم کی سیٹنگ بھی سلمیٰ کے ساتھ مل کر بدلنی تھی۔ ذہن سارا وقت آصف شیرازی کی کہی باتوں کو دہراتا رہتا تھا۔

اگر اس وڈیرے کا پروپوزل ریجیکٹ ہو جاتا تو لازمی طور پر لامعہ کی فیملی ہی آصف شیرازی کی منظور نظر بنتی۔ اور اس کا دل لامعہ کی فیملی کے لیے بھی قائل نہ ہو پا رہا تھا۔ دبئی میں جب بھی آصف شیرازی کے سسرال سے اس کی ملاقات ہوئی تو لامعہ کی آنٹیاں اور کزنز بے حد فارمل اور خشک انداز میں اس سے ملی تھیں۔ نہ کوئی گرم جوشی نہ دلچسپی کا اظہار ایسے موڈی اور مغرور لوگوں کو کیونکر پسند کر سکتی تھی وہ۔

"ایسے سرد اور روکھے پھیکے سسرالی پاپا کو ہی مبارک ہوں۔ مجھے قطعاً" منظور نہیں۔" اس کے دل نے قطعیت سے فیصلہ سنا دیا تھا۔ مگر پاپا کو اس نے کوئی تو جواب دینا تھا۔ نہ لامعہ کی فیملی، نہ یہ گاؤں کے لوگ، پھر یہ فواز بچتا ہے۔

"نہیں ہرگز نہیں۔ فواز سے شادی کرنے سے بہتر ہے۔ میں ساری زندگی کنواری رہ جاؤں۔" وہ اپنی سوچ پہ ہی ڈر گئی تھی۔ فواز جو اس کی نگاہوں کو اچھا نہیں لگتا تھا بھلا دل کو کیسے اچھا لگتا۔ وہ تو علیہ کی وجہ سے اس کا لحاظ کر لیتی تھی ورنہ اس کی شوخ نگاہوں اور ذو معنی باتوں پہ خوب اس سے دو دو ہاتھ کرتی۔

"حائقہ بیٹا! آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" لان میں فروری کی دم توڑتی دوپہر کو محسوس کرتے ہوئے وہ اپنی سوچوں میں غلطاں بیٹھی تھی کہ بوا زینت اس کے پاس آکر بولیں۔

"میری ماموں زاد بہن سکینہ کے میاں کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس سے تعزیت کو جانا ہے۔ میں چاہتی ہوں۔ ان کی طرف ہو آؤں۔"

"تو پرابلم کیا ہے بوا! آپ چلی جائیں پہلے بھی تو جاتی رہتی ہیں۔" اس نے آرام سے انہیں جواب دیا۔

"آپ شاید بھول رہی ہیں۔ آپ کو گھر میں اکیلا چھوڑ کر میں کبھی کہیں نہیں گئی۔ ہمیشہ اپنے رشتہ داروں کے پاس ان دنوں ہی گئی جب آپ دبئی جاتیں یا آصف میاں یہاں آپ کے پاس موجود ہوتے۔ کبھی آپ کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہیں گئی۔"

"تو بوا! اب آپ چلی جائیں۔ میں کوئی چھوٹی بچی تو نہیں ہوں کہ مجھے اکیلا چھوڑا نہیں جا سکتا۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"بیٹا! فکر تو یہی ہے کہ آپ بچی نہیں۔ ایک جوان لڑکی ہو۔ جسے اتنے بڑے گھر میں نوکروں کے آسرے پہ میں ہرگز نہیں چھوڑ سکتی۔"

"تو آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔ صرف یہ بتائیں۔" وہ ان کی ساری باتیں خاموشی سے سنتی بالا خر زچ ہو کر بولی تھی۔

"میں چاہتی ہوں۔ آپ میرے ساتھ گاؤں چلیں۔ وہاں سب سے مل کر آپ کو خوشی ہوگی۔ میں بھی سب سے مل لوں گی اور فکر بھی ختم ہو جائے گی۔" بوا نے اپنی طرف سے بہترین آئیڈیا دیا تھا۔ جسے اس نے فوراً" رد کر دیا۔

"نہیں بوا! میں کہیں نہیں جا سکتی۔ اگر جانا ہوتا تو علیہ کے ساتھ اس کی کزن کی شادی پہ نہ چلی جاتی۔ میرا موڈ نہیں بن رہا۔"

"ہاں بیٹا! یہ بھی ہے۔ آپ کو دیہاتی زندگی ویسے بھی خاص پسند نہیں ہے۔"

بوا کا انداز قدرے یاسیت زدہ تھا۔ اس نے جھٹ ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"بخدا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کے سارے رشتہ دار میرے ماما پاپا کے بھی تو رشتہ دار ہیں۔ انہیں ناپسند کرنے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ میں انکار تو


WWW.PAKSOCIETY.COM

اپنے موڈ کی وجہ سے کر رہی ہوں۔" وہ صفائی دینے کے انداز میں بولی۔ اسے نجانے کیوں محسوس ہوا تھا کہ بوا اس کے ساتھ جانے سے انکار کو مائنڈ کر گئی ہیں۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! میں آپ کو مجبور تو نہیں کر رہی۔" محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بوا نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

واقعی اس کے چہرے کی مخصوص تازگی مفقود تھی اس وقت۔ آنکھوں کے گرد ہلکے ہلکے حلقے بھی نمایاں ہو رہے تھے۔ پورے وجود پہ ایک سستی اور پژمردگی صاف دیکھی جاسکتی تھی۔ جب سے آصف شیرازی واپس دبئی گئے تھے، دل و دماغ کی کشمکش نے اس کی جسمانی صحت کو خاصا متاثر کیا تھا۔

"میں اس وقت آزاد اور بے فکر ہو کر خوب گھوموں پھروں گی جب میری بیٹی اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ پھر میرے شانے بھی ہلکے ہو جائیں گے اور نیند بھی پرسکون آئے گی۔ نہ تو کہیں جانے سے کوئی مسئلہ ہوگا نہ پیچھے کی کوئی فکر ہوگی۔"

بوا کے لفظ لفظ سے خلوص اور محبت ٹپک رہی تھی۔

ایسی ہی بات آصف شیرازی نے جاتے ہوئے اس سے کی تھی۔

"حائقہ! آپ جلد از جلد کوئی فیصلہ کرلو۔ میں آپ کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ آپ کی گریجویشن مکمل ہو چکی ہے۔ اب مزید تاخیر مناسب نہیں۔ کیونکہ بزنس میں بھی میں اتنا انوالو ہوتا ہوں کہ منتھلی باقاعدگی سے میرا آنا نہیں ہو سکتا۔ کوئی نہ کوئی مصروفیت آڑے آجاتی ہے۔ مگر مصروفیات کے باوجود بھی ہر دم آپ کا خیال اور احساس میرے ساتھ ہوتا ہے۔ جب میری بیٹی اپنے گھر کی ہو جائے گی تو اس احساس میں فکر مندی کی بجائے طمانیت اور خوشی ہو گی۔"

"کیا میری شادی سے ہی سب کی پرابلمز سولو ہوں گی۔ پاپا اور بوا چین سے سوئیں گے۔" خود ترسی سے سوچتے ہوئے وہ ونڈو کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

"آج مما زندہ ہوتیں تو میری سیفٹی کے لیے کوئی ایسے تو متفکر نہ ہوتا۔ سب کے کام آسانی سے چل جاتے۔" اس کی آنکھیں ڈبڈبائیں پھر آنسو اس کے رخساروں پہ لڑھک آئے تھے۔

ہمیشہ سے اس کی ذات میں چھپی محرومی بڑی شدت سے عود آئی تھی۔ باوجود آسائشات، تعلیم اور بہترین تربیت کے باوجود، ماں اور بہن بھائیوں کی کمی اسے زندگی کے ہر دور میں محسوس ہوئی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر آزردہ سوچوں میں گھری کھڑکی کے قریب کھڑی رہی پھر آنسو پونچھ کر سست قدموں سے چلتی ہوئی بیڈ تک آگئی۔

✡ ✡ ✡

میرب ہمدانی کا تعلیمی پروجیکٹ "لائٹ فار آل" کامیابی سے ہم کنار ہو رہا تھا۔ اس پروجیکٹ کا مقصد نہ صرف بچوں بلکہ ایڈلٹس کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ کرنا تھا۔ اس مقصد کے لیے ایک لڑکی پروگرام ترتیب دیا گیا۔ گاؤں کی تعلیم یافتہ لڑکیوں اور نوجوان خواتین کو اپنے علاقے کی ناخواندہ خواتین کو پڑھانے کا فریضہ تفویض کیا گیا۔ اس کام کے عوض ان کے لیے ایک معقول معاوضہ مقرر کیا گیا۔ شہرنواز کے لیے اپنے علاقے کے لوگوں کی بیداری اور شعور بہت خوشی کا باعث تھے۔ وہ دل سے میرب ہمدانی کی ان کاوشوں کا ممنون تھا۔

"آپ کی تنظیم میرے لیے اس لیے بھی قابل تعریف ہے کہ باقی این جی اوز کی طرح آپ نے صرف عورتوں کے مسائل کو فوکس نہیں کیا۔ نہ ہی ان کے گھریلو تنازعات کو ہائی لائٹ کر کے میڈیا پہ لے آئیں۔ بلکہ ایک خاموش مددگار کی طرح ہر بچے، بوڑھے ضرورت مند نوجوان کو ان کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق ترقی کے مواقع فراہم کر رہی ہیں۔"

میرب کے پہلو میں چلتے ہوئے شہرنواز توصیفی


WWW.PAKSOCIETY.COM

انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ دونوں آج فارم ہاؤس میں آئے ہوئے تھے۔

دو رویہ پھلوں کے درختوں کے بیچ سرخ پختہ روش پر دونوں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے پروجیکٹ کو ڈسکس کر رہے تھے۔ روش کے دونوں اطراف گھاس کے سرسبز میدان تھے جن میں نرم نرم سرخ و سفید خرگوش دوڑتے پھر رہے تھے۔ دور اصطبل میں موجود گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز صاف آرہی تھی۔ تاحد نظر سبزہ و پھول نظر آرہے تھے۔ چلتے چلتے وہ مصنوعی ندی کے پل پر چڑھ گئے۔

میرب بلیک پاجامے اور ڈھیلی ڈھالی کالر والی شرٹ میں ملبوس تھی۔ وجود کے گرد لپٹی چادر اور گھونگھریالے بال ڈھیلی ڈھالی چوٹی کے باوجود کافی مقدار میں اس کے چہرے کے اطراف میں نکلے ہوئے تھے۔ ندی کے کنارے دور تک خوب صورت اور نفیس پتھر بے حد مضبوطی سے جڑے ایک قدرتی تاثر پیش کر رہے تھے۔

"ارے نہیں شہرنواز! میری ٹیم ہی اتنی مخلص اور محنتی ہے کہ مجھے میری محنت کا بروقت اور بہترین صلہ مل جاتا ہے۔"

میرب اس کی تمام تعریفوں کے جواب میں انکساری سے محض اتنا ہی کہہ پائی تھی۔ "بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آپ جیسے ہمدرد اور خدا ترس لینڈ لارڈ کی فیاضی اور خدا ترسی کی بدولت میرا پروجیکٹ بہت کامیاب جا رہا ہے۔"

"میں کیا' میری اوقات کیا؟ یہ سب اوپر والے کا کرم ہے۔ اگر اس کی رحمت شامل حال نہ ہو تو ہمارے ارادے دھرے کے دھرے رہ جائیں۔" وہ پھولوں سے مہکی فضا میں سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

"خیر چلیں حویلی چلتے ہیں۔ آپ کا ڈنر پہ ویٹ ہو رہا ہے۔"

دور ڈوبتے سورج کی لالی پورے فارم کے ماحول کو پرفسوں بنا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

الٹی سیدھی پراگندہ سوچوں کی وجہ سے رات وہ ٹھیک طرح سے سو نہیں پائی تھی۔ مما کی یاد' پاپا کی باتیں اور موجودہ صورت حال پہ غور کرتے کرتے اس کی طبیعت بوجھل پن کا شکار ہو گئی تھی۔ شاور لے کر ڈھیلے پن سے وہ نیچے آگئی۔ بوا اس کا ناشتا تیار کیے ٹیبل پہ اس کی منتظر تھیں۔

"بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ رات ٹھیک سے نیند تو آئی تھی؟" وہ اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے تفکر سے پوچھے بنا رہ نہ سکیں۔

"جی بوا! آئی ایم فائن۔" وہ توس پہ شہد لگاتے ہوئے بولی تھی۔ اخبار اس کے سامنے پڑا تھا۔ یونہی سرسری خبروں پہ نظر دوڑاتے ہوئے اندرونی صفحات میں ایک کونے پہ اس کی نظر جم گئی تھی۔

"ضرورت ہے" والے کالم میں لگی ایک خبر اس وقت اس کی تمام تر توجہ کا مرکز تھی۔ مدعا صاف الفاظ میں لکھا ہوا تھا جو بخوبی اس کی سمجھ میں آگیا تھا اور ایڈریس تو اتنا مانوس اور جانا پہچانا تھا کہ کسی قسم کے شبے کی گنجائش ہی نہ تھی۔

چند منٹوں میں بیٹھے بیٹھے اس نے ایک پلان ترتیب دے ڈالا۔ عنابی ہونٹوں پہ بے اختیار ایک مسکراہٹ در آئی تھی۔

"یس! یہ ہوئی نا بات۔ اب ہوں گے میرے سارے پرابلمز حل اور ساری الجھنیں دور۔"

بے حد پرجوش انداز میں وہ با آواز بلند بولی تھی پھر تیزی سے اٹھ کر پین ڈھونڈا اور خبر کے گرد دائرہ لگا دیا۔ ساتھ ہی بوا کو زور زور سے آوازیں دینے لگی۔

"بوا۔۔۔ بوا ادھر آئیں پلیز۔"

اس کی آواز میں اتنا جوش اور بے ساختگی تھی کہ کچن میں مصروف عمل زینت بوا افتاں و خیزاں بھاگتی ہوئی آگئیں۔

"جی بٹیا رانی! خیریت؟"

"بوا! آپ کہہ رہی تھیں کہ آپ کو اپنی کسی رشتہ دار کے ہاں جانا ہے تو بس آپ کل سے آپ گاؤں جانے کی تیاری پکڑیں کیونکہ میں بھی علیہ کے ساتھ


WWW.PAKSOCIETY.COM

اس کی کزن کی شادی پر پنڈی جا رہی ہوں۔"

"پر بیٹا! آصف میاں کیا کہیں گے؟" بوا تذبذب سے بولیں۔

"ارے بوا! پاپا کی آپ فکر نہ کریں۔ میں نے ان سے پرمیشن لے لی ہے۔ علیہ میری بہنوں کی طرح ہے۔ خود میرے ساتھ دبئی جا چکی ہے۔ تو مجھے بھی اس کے رشتہ داروں کے ہاں جانے کی اجازت ہے۔" وہ ان کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے مکمل اطمینان سے بولی تھی۔

"کمال ہے خود مجھ سے کہتے ہیں کہ ان کی بیٹی کو ایک منٹ کے لیے بھی آنکھ سے اوجھل نہ کروں۔ اور اب ہے کہ اتنی دور انجان لوگوں میں جانے کی اجازت دے دی۔ آصف میاں کی تو مجھے ابھی تک سمجھ نہ آ سکی۔" بوا حیرت اور الجھن میں گھری با آواز بلند بولتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئیں۔

ناشتا وہیں کا وہیں دھرا رہ گیا تھا۔ وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتی اپنے بیڈ روم میں آگئی تھی۔ اس کی رگوں میں دوڑتے خون کے ساتھ ہر لمحہ جوش کی آمیزش بڑھتی جا رہی تھی۔

جھٹکے سے وارڈ روب کھولی۔ نظر کے سامنے ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت 'اسٹائلش اور مہنگے ملبوسات ہینگ کیے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس وقت اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بالآخر کافی دیر تک تلاش بسیار کے بعد تین چار شلوار سوٹس اسے مل ہی گئے جن کے کافی بڑے بڑے دوپٹے تھے۔

یہ جوڑے اس نے خود نہیں لیے تھے کیونکہ اس کا ذوق ایسا نہیں تھا کہ ڈھیلے ڈھالے شلوار قمیص پہ بڑا سا دوپٹا لیتی۔ یہ جوڑے تو بوا زینت جب بھی اپنے گاؤں سے رشتہ داروں کے گھروں سے واپس آتیں تو ان کے ہمراہ ہوتے تھے جو بطور تحفہ ان کے پرخلوص اور محبت کرنے والے رشتہ دار اس کے لیے بھیجتے تھے۔ ازلی مروت اور محبت سے مجبور ہو کر وہ بوا سے یہ جوڑے بہت شوق اور چاؤ سے وصول تو کر لیتی تھی۔ پھر اپنے روم میں آکر الماری کے نچلے خانے میں ڈال دیتی تھی۔ کھول کر دیکھنے کی زحمت ہی نہ کرتی تھی۔ آج یہی جوڑے اس کے کام آ رہے تھے۔

چند کپڑوں اور ضروریات کی چیزوں پر مشتمل چھوٹا سا بیگ اس نے جلد ہی تیار کر لیا تھا۔ بوا بھی خوشی خوشی جانے کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ اپنے خونی رشتوں سے ملنے کا خیال ہی انہیں بے پایاں مسرت میں مبتلا کر رہا تھا۔

ادھر پہلی ہی بیل پر آصف شیرازی نے اس کی کال ریسیو کر لی تھی۔

"پاپا! ہمیں کالج سے آف مل گیا ہے' رزلٹ میں کافی وقت پڑا ہے۔ ہم دوستوں 'اریشہ' علیہ وغیرہ نے پلان کیا ہے کہ ہم ٹیکسلا ہڑپہ وغیرہ جیسے کلچرل ان ہیری ٹیج (ورثہ) مقامات کا وزٹ کریں کیونکہ رطابہ کا ثقافتی ورثہ پر ایک تھیسس مکمل کرنے کا ارادہ ہے؟ پھر میں ان کو جوائن کر سکتی ہوں نا؟" مکمل اعتماد سے بولتے ہوئے آخر میں اس نے بے حد معصومانہ انداز میں اجازت چاہی تھی۔

"وائے ناٹ مائی ڈاٹر! اسٹڈیز ٹرپس کے لیے آپ کو کبھی منع نہیں کیا میں نے' بس بوا زینت سے پوچھ لیں۔"

آصف شیرازی نے ہمیشہ کی طرح اپنی اجازت کو بوا کی رضامندی سے مشروط کی تھی۔

"پاپا! بوا گاؤں اپنے رشتہ داروں کے ہاں جا رہی ہیں وہ پہلے میری وجہ سے نہیں جا سکتی تھیں' اب پروگرام ڈن ہونے کے بعد ان کی بھی تیاری ہو چکی ہے۔ سو ڈونٹ وری اباؤٹ ہر۔" اس کا ہوم ورک مکمل تھا۔ سو بنا کسی گھبراہٹ کے وہ انہیں اطمینان دلاتے ہوئے بولی۔

"او کے بیٹا! انجوائے یور سیلف' پھر ملتے ہیں آپ کے واپس آتے ہی۔"

بے حد سکون سے اس نے موبائل آف کیا اور بیگ کے اندر کپڑوں کے نیچے رکھ دیا تھا۔

✲ ✲ ✲

اپنی بیس سالہ زندگی میں وہ پہلی بار پبلک

WWW.PAKSOCIETY.COM

ٹرانسپورٹ کے ذریعے سفر کر رہی تھی۔ بس کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ سیٹیں پر ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ مسافر درمیان میں چھت سے لگے راڈ کو پکڑے سفر طے کر رہے تھے۔ شہر کی حد تک تو ٹھیک ہی رہا۔ دیہاتی مضافات میں داخل ہوتے ہی کچے اور ٹیڑھے میڑھے راستوں کی وجہ سے بس جھٹکا کھاتی تو قطار میں کھڑے مسافر بے ساختہ آگے پیچھے گرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ انہی میں ایک بڑی بڑی مونچھوں والا بے ہودہ آدمی جھٹکا لگنے پر خواہ مخواہ اوور ری ایکٹ کرتے ہوئے تقریباً "گرنے کے سے انداز میں اس سے آلگتا تھا۔ غصے کے مارے کھولتے ہوئے اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ تڑاخ سے ایک تھپڑ اس جاہل کے منہ پہ دے مارے جو سارے رستے اسے پریشان کرتا آرہا تھا۔ کبھی اپنی سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے بلاوجہ مسکرانے لگتا تو کبھی سیٹ کی بیک پر یوں آگرتا جیسے اسے زوردار جھٹکا لگا ہو۔

حائقہ نے اپنا چہرہ کالی چادر سے مکمل ڈھانپ رکھا تھا مگر اس کی براؤن خوب صورت آنکھیں ہی یقیناً اس آدمی کو جسارت پہ اکسا رہی تھیں۔ راستے میں کئی بار اس کا جی چاہا کہ اپنے پلان پر لعنت بھیجتے ہوئے واپس گھر کی راہ لے کہ ایک طرف تو اس بدتمیز انسان نے اس کا ضبط آزما رکھا تھا تو دوسری طرف ناہموار راستوں کی وجہ سے لگتے کھٹارا بس کے جھٹکوں نے اس کا انجر پنجر ہلا کے رکھ دیا تھا۔

"اوہ گاڈ! پاکستان میں لوگ ایسے بھی سفر کرتے ہیں۔" بے ساختہ اسے اپنے ساتھ ساتھ دوسرے مسافروں پر بھی ترس آیا تھا جو اس کے برعکس مکمل پرسکون حالت میں سفر کر رہے تھے۔

تنگ' ناکافی نشستیں' کان پھاڑتا سرائیکی میوزک' کرائے کے سلسلے میں کسی عورت سے الجھتا کنڈکٹر' اسے اپنی بلیک کلٹس یاد آئی تھی جس میں وہ بے حد آرام سے سفر کیا کرتی تھی۔ اس کی سپر لگژری کار کی اس کی دوستوں میں بے حد دھوم تھی۔ خدا خدا کر کے سفر تمام ہوا۔ وہ بیگ کو مضبوطی سے تھامے نیچے اتری۔ حویلی کی طرف جانے کے لیے اس نے ایک رکشا ہائر کر لیا تھا۔

دم توڑتی سہ پہر شام کو گود میں سر رکھنے کی تیاری کر رہی تھی۔ مغرب کی طرف عازم سفر سورج کی زردی کچے راستوں کی دھول میں مدغم ہو کر سارے منظر کو ٹیالا سا زرد بنا رہی تھی۔

رکشا کھیتوں کے بیچوں بیچ جھٹکے کھاتے ہوئے چل رہا تھا۔

کسان مرد اور عورتیں اپنے گھاس کے گٹھڑ باندھتے بیل گاڑیوں پہ لاد رہے تھے۔ کچھ عورتیں زمین سے تازہ نکالی ہوئی مولیوں اور شلجم کے ڈھیر کو شفاف پانی کے "کھالے" میں دھوتی جا رہی تھیں۔ ان سب کی گھر واپسی کا سمے ہو رہا تھا۔

"یہ ساری زمینیں جی چوہدری خالق نواز اور ان کے بیٹوں کی ہیں جی بڑے ہی فیاض لوگ ہیں یہ ہاریوں کا حق بالکل نہیں مارتے۔"

رکشے والے نے اسے ایک دم سے مخاطب کیا تھا۔

"خاص طور پر چوہدری صاحب کا چھوٹا بیٹا شہر نواز چوہدری وڈا ہی اخلاقی اور ہم درد ہے۔ غریبوں کے دکھ سکھ میں بڑا کام آتا ہے۔ ویسے جی آپ ان کی حویلی میں کس لیے جا رہی ہیں؟"

بولتے بولتے رکشا ڈرائیور کی طرف سے اچانک ایک بے تکلفانہ سوال آیا تھا۔ وہ بے ساختہ گڑبڑا اٹھی تھی۔ پھر سنبھل کر قدرے رکھائی سے جواب دیا۔

"چوہدری خالق نواز ہمارے رشتہ دار ہیں۔ تم اپنا کرایہ بتاؤ۔"

"واہ جی' وڈے چوہدری صاحب کی رشتہ دار اور میرے رکشے پر سفر۔ ان کے رشتہ دار تو وڈی وڈی گڈیوں میں آتے ہیں۔"

رکشہ والے کی دھیمی استہزائیہ آواز اس تک صاف پہنچی تھی۔ "یقیناً" وہ اس کی غلط بیانی کو سمجھ چکا تھا۔ اس کا دل کرارا سا جواب دینے کو چاہا مگر ضبط کیے نیچے اتر آئی تھی۔


WWW.PAKSOCIETY.COM
www.zubinovelszone.com

پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی حویلی کے بیرونی احاطے میں داخل ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سنو لڑکی! تمہیں بڑی اماں کی دیکھ ریکھ کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ تم ہر وقت ان کے ساتھ رہو گی۔ ان کے کھانے پینے، ادویات، ضروری حوائج ان کی تم ذمہ دار ہو گی۔ بدلے میں تمہیں اچھا کپڑا، کھانا اور تنخواہ ملے گی۔ اشتہار تو تم پڑھ کر ہی آئی ہو گی نا۔" قیمتی جوڑے اور بھاری بھر کم زیورات پہنے تحکمانہ انداز میں اس سے بولنے والی یقیناً "نوشابہ بیگم ہی تھیں۔ جو اس وقت لاؤنج میں صوفے پہ کروفر سے براجمان تھیں۔

"جی بیگم صاحبہ! میں سمجھ گئی۔ مجھے اپنی نوکری کی نوعیت کا علم ہے۔" سر جھکا کر اس نے ادب سے جواب دیا ورنہ تو نوشابہ کا تحکمانہ اور دبنگ انداز اسے خاصا گراں لگ رہا تھا۔

"ویسے لگتی تو کنواری ہو۔ ایسی کیا مجبوری تھی کہ ماں باپ نے میلوں دور ملازمہ بننے بھیج دیا۔" اب کے نوشابہ نے اس کے دھان پان سراپے کو جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے خاصے مشکوک انداز میں پوچھا تھا۔

"جی۔ میرے ابا فوت ہو چکے ہیں۔ ماں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہے۔ آٹھ بہن بھائی ہیں میں میٹرک پاس تو سوچا کچھ نہ کچھ اپنی تعلیم سے فائدہ اٹھالوں۔" خاصی مسکینی سے بولتے ہوئے وہ ہنوز فرش پہ نظریں گاڑے کھڑی تھی۔

"ہونہہ ٹھیک ہے، تم بڑی اماں کے کمرے میں جاؤ، سکینہ جاؤ اس لڑکی کو بڑی بیگم کے پاس لے جاؤ۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے نوشابہ گھونٹ گھونٹ ملک فروٹ شیک پینے لگیں جو سکینہ ابھی ان کے لیے بنا کر لائی تھی۔

قدیم طرز کے بڑے بڑے پایوں والے منقش پلنگ پہ مرنجان مرنج سی بزرگ خاتون تک یقیناً "اس کی آمد کی خبر پہنچ چکی تھی، کیونکہ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس سے پھر انٹرویو شروع ہو گیا۔ وہی سوالات۔ جن کے جوابات تحمل سے نوشابہ کو دے آئی تھی، اب انہیں بھی دینے لگی۔

"اچھا جاؤ اب میرے کھانے کو کچھ لے آؤ۔" تقریباً" دو گھنٹے تک اس کا تمام شجرہ نسب کرید کرید کر پوچھنے کے بعد بیگم مہتاب کو بھوک نے ستایا۔

"جی کہاں سے لے آؤں؟"

"باورچی خانے سے اور کہاں سے؟" مہتاب بیگم نے حیران نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ لڑکی انہیں شریف اور کسی حد تک تابع دار معلوم ہو رہی تھی۔ کھانے کی ٹرے تو وہ لے آئی تھی مگر بیگم مہتاب کے ہاتھ دھلانے اور ساتھ بیٹھ کر کھانا کھلانے میں ہی وہ اچھی خاصی ہلکان ہو چکی تھی کیونکہ بیگم مہتاب باتوں کی بے حد شوقین تھیں۔ ہر لقمے کے درمیان پندرہ منٹ گفتگو کرتیں۔

اس کا بستر نیچے فرش پہ سیٹ تھا۔ جس پہ دراز ہوتے ہی بے ساختہ اسے اپنا بیڈروم یاد آ گیا تھا۔

"خیر میں کون سا ہمیشہ کے لیے رہنے آئی ہوں۔ ایک دو ہفتہ رہ کر "کام" نکلتے ہی گھر کی راہ لوں گی۔" دل ہی دل میں خود کو تسلی دیتے ہوئے اس نے کروٹ لیتے ہوئے منہ بانہوں میں چھپا کر سونے کی کوشش کی مگر بیگم مہتاب نے اس کی کوشش ناکام بنادی۔

"ارے سنو تو لڑکی! سارا اتا پتا پوچھ لیا۔ آگا پیچھے نہیں پوچھا تو تمہارا نام۔ میں بھی کتنی بھلکڑ ہوں۔" پوپلے منہ سے مسکراتے ہوئے بولیں۔

"جی میرا نام سمیرا ہے۔" غنودگی میں ڈوبے ہوئے اس نے پہلے سے سوچا ہوا نام بتا دیا۔ لحہ بہ لحہ وہ نیند کی آغوش میں جا رہی تھی۔

"اے لو، تم کیا سو رہی ہو؟ ابھی تو تم نے میری ٹانگیں دبانی ہیں، تم ٹانگیں دباؤ گی تو مجھے نیند آئے گی۔" بیگم مہتاب کی بات نے تو اس کی نیند بھک سے اڑا دی تھی۔

"جی؟" طوعاً" و کرہاً" نیند میں ڈولتے ہوئے وہ بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ سارے دن کی تھکن کا مارا ٹوٹا دکھتا

بدن، نرم، آرام دہ بستر پہ ٹوٹ کر نیند لینے کو جی چاہ رہا تھا مگر کہاں۔

"چلو حائقہ! اب لو ایڈونچر کے مزے۔" دل ہی دل میں خود کو کوستے ہوئے وہ مندی آنکھوں سے بیگم مہتاب کی پتلی پتلی ٹانگیں مرے مرے ہاتھوں سے دبانے لگی۔

بیگم مہتاب اب اپنے وقت گزشتہ کو دہرا رہی تھیں۔ جوانی، خوب صورتی، تخت، رتبہ... رعب و تمکنت۔

"تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ گاؤں کی عورتیں اپنے بچوں کا باہم رشتہ کرتے ہوئے مجھ سے مشورہ لازمی لیتی تھیں اور یہ میری بہو تو شاہدہ اسے تو سلام تک آکر کرنا گوارا نہیں کرتیں۔" بڑی بڑی جمائیاں لیتے ہوئے وہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"لڑکی! مجھے لگتا ہے تم بھی شاہدہ کی طرح نیند کی رسیا ہو۔ تم میری باتیں توجہ سے نہیں سن رہی ہو۔" اس کی طرف سے مسلسل خاموشی پہ انہوں نے اسے ڈپٹ دیا تھا۔

"جی بڑی بیگم صاحبہ! مجھے نیند آرہی ہے، سارے دن کے سفر کی تھکی ہوئی ہوں نا اس لیے، اب سوتی ہوں تو کل آپ سے ڈھیر ساری باتیں کروں گی۔" انتہائی لجاجت سے کہتی وہ پلنگ سے نیچے اتر آئی تھی۔

"تم انتہائی نکمی اور سست ہو۔ تمہیں بھی شہر نواز سے کہہ کر چلتا کرتی ہوں۔" اس کے نیند میں ڈوبے ہوئے ذہن نے بیگم مہتاب کی غصے بھری بڑبڑاہٹ سنی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بیگم صاحبہ! سنا ہے کہ آپ کے ایک پوتے کی شہر میں منگنی ہوئی ہے۔ کب شادی ہے پھر؟"

ایک بھرپور اور مکمل نیند لینے کے بعد اگلی صبح وہ بے حد ایکٹو اور فریش تھی۔ بیگم مہتاب کو ناشتا کروایا، کپڑے چینج کروانے کے بعد اب ان کے مٹھی بھر بال سلجھا رہی تھی۔

"ہاں، میرا بیٹا اپنے کسی شہری دوست سے رشتہ جوڑ تو آیا ہے۔ مگر مجھے ذرا بھی یہ رشتہ پسند نہیں۔" وہ منہ بنا کر بولیں۔

"ہائیں، مگر کیوں؟"

"بس میری خواہش تھی کہ شہر نواز کے لیے میں اپنی نواسی مہک لوں۔ شہر نواز کو بھی قائل کرنے کی کوشش کی مگر وہ باپ کا فرماں بردار نکلا۔"

"مگر آپ تو کہہ رہی تھیں کہ وہ سب سے زیادہ آپ کا ادب کرتا ہے۔ آپ کا کہنا مانتا ہے۔"

وہ ان کی کل کہی گئی بات کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں قدرے چھیڑتے ہوئے بولی۔

"ہاں، یہ بات تو سچ ہے۔ اس کے سہارے پہ تو دن اچھے گزر رہے ہیں۔ اسی کے طفیل آج تم یہاں موجود ہو۔ بڑا ہی رحم دل اور غریب پرور ہے میرا پوتا۔ نرا اپنے مرحوم دادا رب نواز چوہدری کا عکس ہے۔ ان ہی کی طرح شریف، باکردار اور دھن کا پکا۔"

بیگم مہتاب کی آنکھوں میں اب بیتی یادوں کا عکس جھلملا رہا تھا۔

"جی موصوف کی انہی خوبیوں کی بغور جانچ کرنے کے لیے تو اتنا دور گھر چھوڑ کر آئی ہوں۔ سب لوگ کچھ بھی کہتے ہیں مگر میرا دل کہتا ہے کہ وہ ایک روایتی وڈیرہ ہے، جس کی فطرت میں عیاشی اور رنگین مزاجی بھری ہے اور ان سب کا پکا ثبوت لے کر ہی پاپا کے پاس جاؤں گی میں۔" دل ہی دل میں پرعزم لہجے میں وہ اپنا مخاطب خود تھی۔

چڑیا بن چکی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کمرے سے نکل کر ذرا گھوم پھر کر حویلی کا جائزہ لے جو بقول بوا کے اس کا نصیب بننے والی ہے۔ اس کے مکینوں کے رویوں اور فطرت کا جائزہ لے تاکہ فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔ ان محترم پر بھی نظر رکھے جن کی خاطر وہ اتنا کشٹ اٹھا رہی تھی۔ مگر بیگم مہتاب اسے اپنے پاس سے ذرا بھی ہٹنے نہ دے رہی تھیں۔ اس کا جی اوب گیا تھا۔ اب ایک ہی فرد کی باتیں بندہ کب تک سنے اور وہ بھی مکمل دلچسپی اور توجہ کے


WWW.PAKSOCIETY.COM

ساتھ۔ بالآخر اسے راہ فرار سوجھ ہی گیا تھا۔

"بیگم صاحبہ! آپ کے کمرے میں کتنا خوب صورت گل دان ہے۔ میں آپ کے لیے تازہ پھول لے آؤں۔ آپ کی طبیعت بھی خوش ہوگی اور کمرے کا ماحول بھی تروتازہ رہے گا۔"

وہ پلنگ کی پائنتی کی طرف رکھے گل دان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی جو یقیناً "خوب صورت اور امپورٹڈ تھا۔

"ہاں جاؤ' پھول چن کر لاؤ۔ موئے سپرے کی مصنوعی خوشبو سے تو اچھا ہے۔" فراخ دلی سے اجازت مرحمت کی گئی تھی۔

وہ بیک ڈور کھول کر لان میں آگئی۔ چہار سو سبزہ اور گل ہائے خوش نما کی بہار تھی۔ امیر دین پودوں کی تلائی میں مصروف تھا۔ اس سے کٹر لے کر پھولوں کی کیاریوں کی طرف آگئی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوب صورت گلدستہ مکمل ہو گیا۔

عین اسی وقت گارڈ نے دروازہ کھولا اور بلیک لینڈ کروزر سرخ روش پر پھسلتی ہوئی آگے بڑھتی گئی اور پورچ میں جاکر رک گئی۔ اندر سے شہرنواز برآمد ہوا۔ وہ ابھی ابھی ساتھ والے گاؤں سے ایک شادی کی تقریب نمٹا کے آرہا تھا۔ شادی کا جشن رات گئے تک جاری رہا تھا۔ صبح جاکر اسے رخصت ملی تھی۔

گل دستہ تو بن چکا تھا مگر روش کے قریب کھلے وائٹ ٹیولپس نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی تھی مگر سامنے آتے شخص پہ نظر پڑتے ہی وہ اپنی جگہ جم سی گئی تھی۔ بلاشبہ وہ ہی شہرنواز تھا جس کی انلارجڈ تصویر وہ بیگم مہتاب کے کمرے میں دیکھ چکی تھی۔ مگر یوں اچانک ایک دم سے سامنے آکر اس نے تو اس کے حواس ایک دم سے مختل کر دیے تھے۔

حائقہ نے شہرنواز کے بارے میں ایسا کوئی مثبت انداز سے نہیں سوچا تھا۔ مگر یہ اتنا ہینڈسم اور دراز قامت ہوگا۔ یہ اس کے اندازوں میں بھی نہ تھا۔ گھنے سیاہ بال' گھنی مونچھوں تلے گلاب لب' چوڑی روشن پیشانی' دمکتی سیاہ چمکیلی آنکھیں تو شدید حیرت کے عالم میں اسے تک رہی تھیں۔ وہ بھی تو اپنی جگہ پر فریز ہو چکا تھا۔ ہمیشہ صنف مخالف کی طرف اٹھی اس کی نظر میں شائستگی' ادب اور وقار ہی ہوتا تھا مگر اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں سراسر حیرانی تھی' شدید قسم کی حیرانی۔

"ارے میرا شہری آیا ہے۔" اسی دم مین انٹرنس دروازہ کھول کر نوشابہ ادھر آگئیں۔ اور شہرنواز کی طرف والہانہ انداز میں سج سج کر ماربل کی بنی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے بڑھی تھیں۔

"جی امی! ابھی آیا ہوں۔" نوشابہ کی آواز نے حیرت کے حصار کو توڑتے ہوئے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

حائقہ لمحوں میں چہرہ پھیر کر مخالف سمت میں دیکھنے لگی تھی۔ دل ایک دم سے دھڑکنے لگا تھا۔ اسے اپنے محسوسات بالکل سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ شہرنواز بھی آنکھوں میں گہری الجھن اور حیرت لیے ماں کو بازو کے حصار میں لے کر اندر آگیا تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے جو ابھی باہر ملی تھی۔" صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بڑی اماں کی گورنس ہے۔ جو تم نے اشتہار دیا تھا۔ اسے پڑھ کر آئی ہے۔ سمیرا نام ہے۔ خود کو غریب گھر کا بتاتی ہے۔ بڑی اماں تو فی الحال بہت خوش ہیں اس سے۔ ابھی تک تو کوئی شکایت موصول نہیں ہوئی۔ آگے اللہ بہتر کرے۔"

نوشابہ نے مسکراتے ہوئے تفصیل سے بتایا

تھوڑی پرسوچ انداز میں کھجاتے ہوئے وہ ان کی باتیں سن رہا تھا۔ نوشابہ اس کے لیے ناشتے کا کہنے چلی گئیں۔

یہ چہرہ اسے دیکھا بھالا سا لگ رہا تھا اور یہ چہرہ ہرگز ایسا معمولی نہ تھا کہ اتنی جلدی ذہن کے پردے سے محو ہو جاتا۔ چائے پیتے ہوئے اچانک ایک جھماکا سا اس کے ذہن میں ہوا تھا۔ ساری الجھن اور حیرت منٹوں میں زائل ہوئی تھی۔ لبوں پہ اب ایک دلفریب


WWW.PAKSOCIETY.COM

مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

حویلی اس کے اندازوں اور سوچوں کے بالکل برعکس ثابت ہوئی تھی۔ نہ سرخ اینٹوں سے بنے چوبارے نہ طویل غلام گردشیں 'نہ جالی دار محرابیں۔ یہ تو سہ منزلہ وائٹ ماربل سے بنا بہترین پیلس تھا جو اس کے اپنے گھر سے کہیں زیادہ بڑا اور خوب صورت تھا۔ چوبیس کنال کے اس پیلس کے اطراف میں وسیع گارڈنز 'شفاف 'جھلملاتے پولز۔ ٹینس کورٹ 'جم اور نجانے کون کون سے لگژری لوازمات تھے۔ حویلیوں والا روایتی ٹچ تو کہیں دیکھنے کو نہ ملا۔ ہاں البتہ نوشابہ بیگم میں روایتی ملکاؤں والا طنطنہ اور غرور ضرور موجود تھا۔ انتہائی ٹھسے سے صوفے پہ بیٹھ کر ملازماؤں پہ حکم صادر کرتی رہتیں۔ اور ان کی بڑی بہو ماہین زیادہ تر اپنے کمرے میں اپنے بچوں کے ساتھ مصروف رہتی۔ حویلی کے معاملات میں بالکل دخل نہ دیتی تھی۔ رہ گیا شہر نواز تو اس دن کی ملاقات کے بعد پھر سامنا نہ ہو پایا تھا۔ ایک ہفتے میں تو صرف سرسری دیکھ ہی پائی تھی۔ مکمل جانچنے اور پرکھنے پر نجانے کتنا وقت لگتا کیونکہ وہ بہت کم گھر ٹکتا تھا۔ نوشابہ کے منہ سے سنا تھا وہ آج کل کسی پروجیکٹ میں بری طرح مصروف ہے۔ اس لیے گھر کا چکر نہیں لگا پایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"پتا ہے شہری! یہ جو بڑی اماں کی میڈ لڑکی ہے نا سمیرا 'بڑی ہی عجیب لڑکی ہے۔" وہ جو ننھے مہرنواز کو گود میں لیے گدگدا رہا تھا ماہین کی بات پر سیدھا ہو بیٹھا۔

"کیوں 'کس لحاظ سے عجیب ہے؟"

"مجھے نہیں لگتا کہ یہ اتنی غریب ہے جتنا خود کو بتاتی ہے۔ کیونکہ میں نے اس کے کسی انداز میں کوئی تشنگی یا محرومی نوٹ نہیں کی۔ بڑے اسٹائل سے کھانا کھاتی ہے۔ اکثر بولتے ہوئے انگلش ورڈز بولتی ہے۔" ماہین نے بولتے ہوئے مہرنواز کو اس کی گود سے لے لیا۔

"یہ اتنی نوٹس ایبل بات نہیں۔ آج کل میڈیا اتنا ایڈوانس ہو گیا ہے کہ ایک ان پڑھ بھی اچھی خاصی انگریزی بول لیتا ہے۔ یہ تو آپ بتا رہی تھیں کہ میٹرک پاس ہے۔" اس نے آرام سے ماہین کی بات کو رد کر دیا تھا۔

"کچھ بھی کہو یہ لڑکی نارملی بی ہیو نہیں کرتی۔ کل میں نے کہا کہ میں ذرا تیار ہو جاؤں ذرا حورم کو سنبھال لو۔ تو یہ حورم کو گود میں لے کر انگلش پوئمز سنانے لگی۔"

"جو بھی ہو بڑی اماں تو خوش ہیں نا اب۔ ایک مستقل پرابلم سولو ہو گئی ہے۔" آرام سے کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے بیٹا کہاں چل دیے۔ میں چائے کا کہہ کر آئی ہوں۔ نوشابہ لاؤنج میں داخل ہوئیں تو اسے کھڑا دیکھ کر کہنے لگیں۔

"ذرا گھڑی کو گھر میں آتے ہو۔ جی بھر کر دیکھ بھی نہیں پاتی۔" نوشابہ جذباتی ہو گئی تھیں۔

"امی! ذرا گھڑی کہاں 'اچھا خاصا وقت گزارتا ہوں آپ کے ساتھ۔ وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر پھیلتے ہوئے بولا اتنے میں وہ چائے کے لوازمات کے ساتھ آتی دکھائی دی۔

"شاہدہ کی بہن کے ہاں ڈلیوری ہونے والی ہے تو میں نے سمیرا سے کہا کہ ذرا کچن میں سکینہ کا ہاتھ بٹا دیا کرے۔"

نوشابہ نے اس کی مہتاب بیگم کے کمرے سے غیر موجودگی کا جواز بیان کیا تھا۔ وہ چائے کپوں میں ڈالنے لگی تھی کہ ماہین ایک دم سے بول اٹھی تھی۔

"سمیرا! یہ ڈائمنڈ ٹاپس تم نے کہاں سے لیے ہیں؟"

"اوہ شٹ!" ماہین کی بات پہ اس کے ہاتھ بے ساختہ اپنے کان کی لو تک گئے تھے جہاں ڈائمنڈ ٹاپس کئی برسوں سے پیوست تھا۔

شہرنواز بھی بے ساختہ اس کے کانوں کی طرف متوجہ ہوا تھا جنہیں وہ اب گھبراہٹ سے دوپٹے سے ڈھانپ رہی تھی۔

"کوئی نہیں جی! یہ تو میری اماں بازار سے لائی تھیں۔" وہ تیزی سے بولی تھی۔ اس کی پیشانی پہ پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔

"مائی گاڈ! یہ اتنے کاسٹلی ٹاپس تمہاری اماں کو کہاں سے مل گئے۔" ماہین کی حیرت دوچند ہوئی تھی۔

"ارے ماہین! آج کل آرٹیفیشل چیزیں اتنی خوب صورت آرہی ہیں کہ اصل' نقل کا فرق ہی نہیں معلوم ہوتا۔" نوشابہ نے اسے الجھن سے نکالنا چاہا' حالانکہ اس دوران وہاں سے کھسک چکی تھی۔

"ارے نہیں خالہ! یہ پیور ڈائمنڈ کے ہیں۔ خود میرے پاس اس ڈیزائن کے ہیں۔ میں اصل' ہیرے کی پہچان رکھتی ہوں۔" ماہین ابھی تک اپنی بات پہ اڑی ہوئی تھی۔

"تم بھی کمال کرتی ہو۔ ایک ملازمہ کے پاس' ہیرے کی جیولری کہاں سے آگئی۔" شہر نواز خاموشی سے چائے پیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ایسے ہی ڈائمنڈ ٹاپس اس نے کب اور کس کے کانوں میں دیکھے تھے۔ اس کا دل چاہا کہ نوشابہ سے کہہ دے کہ ماہین بھابھی کی پہچان درست ہے مگر خاموش رہا کہ کچھ کام اور باتیں اپنے وقت پر ہی اچھے لگتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

"چل نی سمیرا! ذرا اوپر مہمان خانے میں چلیں اور یہ چیزیں فریج میں رکھ آئیں۔" سکینہ اسے بلانے بڑی بیگم صاحبہ یعنی مہتاب بیگم کے کمرے میں آگئی تھی۔ اس نے اجازت طلب نظروں سے بیگم مہتاب کو دیکھا تھا۔

"ہاں' چلی جاؤ' مگر جلد ہی آنا آج تم سے ٹانگوں پہ پالش کروانی ہے۔" گویا بادل ناخواستہ اجازت دی گئی تھی۔

سکینہ نے ٹرے میں دو تین قسم کے کیک' کوکیز رکھی ہوئی تھیں۔ کولڈ ڈرنکس کی بوتلیں' فروٹس پر سارا سامان اوپر روم ریفریجریٹر میں رکھنا تھا۔

ٹرے اس نے اٹھائی اور باقی چیزیں سکینہ نے۔

"یہاں کون رہتا ہے؟" اس نے گیسٹ روم کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کوئی پروہنی آئی ہے چوہدری شہر نواز صاحب کی۔ اس کے لیے کمرہ سیٹ کیا ہے۔ بڑی بیگم صاحبہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا فریج کھانے پینے کی چیزوں سے بھر دوں تاکہ انہیں کسی چیز کی کمی نہ ہو۔" سکینہ ریفریجریٹر میں چیزیں رکھتے ہوئے بولی۔ وہ چلتے ہوئے سلائیڈ ونڈو کے پاس آگئی۔ رات کی تاریکی کو نواز پیلس کی روشنیاں کہیں دور اور پرے کیے ہوئے تھیں' سامنے شہر نواز کے ساتھ کوئی لڑکی تھی جو بنچ پہ اس سے فاصلے پہ بیٹھی ہوئی تھی۔

دونوں بہت خوش گوار موڈ میں باتیں کر رہے تھے۔ پول کی دودھیا روشنی کی بدولت لڑکی کا چہرہ بھی چمکتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ سیاہ گھونگھریالے بال ایک چوٹی میں مقید تھے۔ آنکھوں پہ موٹے اور بڑے فریم کا چشمہ' جینز کے اوپر ڈھیلی ڈھالی قمیص اور ہلکا سا مفلر لیے وہ مسکراتے ہوئے شہر نواز کی باتوں کا جواب دے رہی تھی۔

"چلو اب چلیں۔" سکینہ کام سے فارغ ہو چکی تھی۔

"سنو! یہ لڑکی کون ہے؟" اس نے سامنے منظر پہ نظریں ٹکائے سکینہ سے پوچھا تھا۔

"کون؟ یہ۔۔۔" سکینہ ذرا آگے کو ہو کر جھانکتے ہوئے بولی۔

"یہی تو پروہنی ہے چوہدری صاحب کی' سنا ہے کافی امیر ہے۔ یہاں گاؤں کی عورتوں اور بچوں کو پڑھانے کا انتظام کر رکھا ہے۔ ساتھ میں مفت علاج بھی کروا رہی ہے۔ خود میری بڑی بہن بھی اس کے اسکول میں پڑھ رہی ہے۔" سکینہ کی باتیں سنتے ہوئے وہ پر سوچ انداز میں سیڑھیاں اترتی جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"جی پاپا! آئی ایم فائن' فرینڈز کے ساتھ بہت انجوائے کر رہی ہوں۔ بٹ مسنگ یو آلاٹ پاپا۔" وہ

موبائل کانوں سے لگائے آصف شیرازی سے مخاطب تھی۔

مہتاب بیگم واش روم میں وضو کر رہی تھیں، جب آصف شیرازی کی کال آگئی تو وہ اٹھ کر کاریڈور میں آگئی، علیہ سے اس کا رابطہ بذریعہ ایس ایم ایس تھا مگر پاپا سے بات وہ نظر بچا کر لیا کرتی تھی۔

"پاپا! یہ ٹور اتنا انفارمیٹڈ ہوگا، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ پاکستان اتنا بیوٹی فل کنٹری ہے، اٹس ریئلی امیزنگ۔"

بات کرتے کرتے مڑی تو بے ساختہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ شہر نواز بڑی اماں کے کمرے میں آرہا تھا جب راستے میں اس سے ٹکر ہو گئی۔

"اوہ سوری، ریئلی سوری۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔ پھر بے ساختہ لب بھینچ لیے۔ باوجود کوشش کے وہ کوئی نہ کوئی غلطی کر جایا کرتی تھی۔ جیسے اس دن ماہین نے اس کے ٹاپس پرکھ لیے تھے۔ یہ ٹاپس ڈائمنڈ کے تھے اور پاپا اس کے لیے بلجیم سے لائے تھے۔ خود کو ایک سادہ 'فطری روپ دینے کے لیے اس نے اپنے کٹے ہوئے بالوں کی چٹیا بنالی تھی۔ ڈھیلے ڈھالے کپڑے منتخب کر لیے تھے مگر عجلت میں ان ٹاپس کو اتارنا بھول گئی تھی جو دور سے ہی اپنی قیمت بتاتے تھے۔

"بڑی اماں، ہیں اندر؟" شہر نواز نے ہموار لہجے میں پوچھا تھا۔ اس کے قیمتی کلون کی خوشبو پورے کاریڈور میں پھیلی ہوئی تھی۔

"جی وہ اندر ہیں۔" بظاہر وہ سنبھلتے ہوئے آرام سے بولی تھی۔ اندر کم بخت دل نے دھڑ دھڑ مچا رکھی تھی۔ شاید پکڑے جانے کے خوف سے یا....

"ارے میرا بچہ آیا ہوا ہے۔" بیگم مہتاب اسے دیکھ کر کھل اٹھی تھیں۔

اس نے بھی انہیں ہمیشہ کی طرح اپنے مضبوط بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا تھا۔

"آپ سنائیں کیسی ہیں؟ کیسی گزر رہی ہے؟" انہیں صوفے پہ آرام سے بٹھاتے ہوئے وہ خود بھی جم کر ان کے پہلو میں جڑ کر بیٹھ گیا اور بشاشت سے پوچھا۔

"کیا پوچھتے ہو؟ کوئی آ کر ہفتوں نہ پوچھے تو کیا حال ہو سکتا ہے؟" وہ ہمیشہ کی طرح مغموم انداز میں شروع ہو گئیں۔

"ارے کیوں، یہ سمیرا بی بی آپ کا خیال نہیں رکھتی کیا؟" اب کے وہ اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"اس کا کیا کہتے ہو۔ یہ تو پرائی بچی ہے۔ جلد سو جاتی ہے۔ کم بولتی ہے۔ مالش اچھی نہیں کرتی مگر چٹیا اچھی بنا لیتی ہے۔" حائقہ نے حیرت سے آنکھیں اٹھائیں۔

"اتنی خدمت اور کارگزاری کا یہ صلہ؟" اس کی آنکھوں میں واضح گلہ تھا۔ جسے محسوس کرتے ہوئے شہر نواز قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ویل سیڈ بڑی اماں! تو یہ میڈ بھی آپ کا دل جیتنے میں ناکام رہی ہے۔" لہجہ سراسر شرارتی تھا۔

"دل جیتنا کوئی اتنا آسان کام ہے۔ ہوتی کوئی اپنی، جیسے تمہاری دلہن تو خوب رج کے خدمتیں کرواتی۔ پاؤں دبواتی۔ مگر تمہارا ابا تو شہری بھولا رہا ہے۔ ایسی نخریلی اور نازک مزاج لڑکیوں سے کیا توقعات رکھوں۔" وہ ازحد مایوس لگ رہی تھیں۔

"جی کہتی تو آپ ٹھیک ہی ہیں۔ شہری لڑکیاں نہ صرف نخریلی بلکہ کافی حد تک چالاک اور دھوکے باز ہوتی ہیں۔ اپنے کردار کی حفاظت نہیں کر سکتیں۔ فیشن زدہ اور بناوٹی۔" حائقہ کے چہرے پہ خون ایک دم سے سمٹا تھا۔ اس نے ایک کڑی نظر ڈالنے کے لیے سر اٹھایا تو شہر نواز پہلے ہی سے بغور دلچسپی سے اس کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھ رہا تھا۔

"شادی ایک جوا اور میرے ابا بغیر دیکھے بھالے ایک دوست کی بیٹی کو نجانے وہ دکھنے میں کیسی ہے؟ اس کا کیریکٹر، طور طریقے جن سے ٹوٹلی میں انجان ہوں، پتا نہیں ابو جی کا فیصلہ کیا رنگ لائے گا۔" وہ جیسے بے بس ہو کر کہہ رہا تھا۔

"بیٹا! تم ہمت کرو اور انکار کر دو۔ میں آج ہی تمہارے ابا سے اسماء کے لیے بات کرتی ہوں۔" بیگم مہتاب اس کی باتوں سے اپنی مرضی کا مطلب اخذ کر کے جوش سے بولیں۔

"کوئی فائدہ نہیں بڑی اماں! اب ابو کا میری شادی کا ارادہ ہے۔ اب کیسے انکار کروں۔ زہر کا گھونٹ بھرنا ہے چاہے باول ناخواستہ ہی۔ شہری لڑکی آپ کی خدمت نہ کرے یہ بھی مجھے اچھا نہیں لگے گا۔"

حائقہ جیسے اپنی جگہ پر پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔

"اصل میں تم نے بڑی جلدی ہتھیار ڈال دیے اور میں نے بھی خالق نواز کو نہیں آزمایا اگر زور دیتی تو کبھی وہ اپنی من مانی نہ کر سکتا تھا۔" بیگم مہتاب جیسے کف افسوس ملتے ہوئے بولیں۔

"خیر آپ فکر نہ کریں شہری لڑکیاں اچھی بھی نکل آتی ہیں۔ سب لڑکیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ جیسے میری دوست میرب ہمدانی ہے۔ بہت ہی اچھی، ہمدرد، خدا ترس اور خوب صورت لڑکی ہے۔ ایسی کہ اس کے ساتھ گزارہ ہوا وقت میرا بہترین وقت ہوتا ہے۔ بہت قابل اور ذہین لڑکی۔ جس کی کمپنی ہر لحاظ سے لطف دیتی ہے۔" وہ جیسے تول تول کر بول رہا تھا۔ آنکھیں جیسے حظ اٹھانے والے انداز میں اس پہ ٹکی تھیں۔

وہ باوجود کوشش کے سر اٹھا نہیں پا رہی تھی کہ جب بھی نظر اٹھاتی وہ پہلے سے ہی اسے دیکھ رہا ہوتا تھا۔

"کمینہ۔۔۔ فراڈ۔" اس نے دل ہی دل میں دانت پیسے تھے۔

"اوکے بڑی اماں! چلتا ہوں۔ کوئی شکایت، کوئی مسئلہ ہو، مجھ سے کہہ دیجیے گا۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"سمیرا بی بی! آپ یہ ایڈوانس تنخواہ لے لیں، ہو سکتا ہے آپ کو پیسوں کی ضرورت ہو۔ کیونکہ موبائل استعمال کرتی ہیں۔ بیلنس کے لیے ضرورت پڑ سکتی ہے۔" وہ قمیص کی سائیڈ جیب سے والٹ نکالتے ہوئے بولا تھا۔

"جی نہیں۔ مجھے آپ کے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس الحمدللہ اپنی ضرورت جتنے پیسے ہیں۔" وہ ایک دم سے تڑخ کر بولی تھی۔ آنکھوں میں بے حد خفگی تھی۔

"جی۔۔۔ جی میں لمحہ بھر کو بھول گیا تھا کہ آپ تو ڈائمنڈ جیولری پہنتی ہیں، سیونٹی تھاؤزنڈ کا موبائل رکھتی ہیں پھر آپ کے پاس پیسوں کی کمی کیونکر ہو سکتی ہے؟" وہ جیسے حظ اٹھا کر بولا تھا۔ آنکھیں مسلسل آمادہ بہ شرارت تھیں۔

حائقہ کے لیے مزید رکنا دوبھر ہو رہا تھا۔ جھٹکے سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"سنو لڑکی! میرے پاؤں دبا دو۔ پھر میں سونے کی تیاری کرتی ہوں۔" بیگم مہتاب کمبل کھولتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئیں جو ان کی طرف کروٹ لیے نجانے کس چیز کو گھور رہی تھی۔ ان کی بات سن کر ایک دم سے بولی۔

"جی نہیں۔ میں آپ کے پاؤں نہیں دبا سکتی۔ مجھے خود نیند آ رہی ہے۔" صفا چٹ انکار بیگم مہتاب کو حیرت ہوئی۔

"ہائیں! تمہیں کیا ہوا۔ میری وجہ سے یہاں ٹکی ہوئی ہو ورنہ تو شہر نواز تمہیں نکال چکا ہوتا۔"

"شوق سے نکال دے۔ میں کون سا یہاں خوشی سے رہ رہی ہوں۔" اس نے دوبدو جواب دیا۔ دل آج چاہ رہا تھا کہ ساری پلاننگ بھاڑ میں جھونک کر ان سب کے سامنے اپنی اصلی حالت میں آ جائے پھر ان سب کا رد عمل دیکھے۔

"تمہارے دن گنے جا چکے ہیں لڑکی۔ بہت اچھا کھا پی لیا تم نے۔" بیگم مہتاب اب اسے دھمکا رہی تھیں۔

اس نے دائیں طرف کروٹ لے لی۔ سامنے اس ستم گر کی انلارجڈ سائز تصویر تھی۔ تصویر میں بھی اس کی آنکھیں جیسے اس پہ جمی تھیں۔ بہت کچھ کہتی ہوئی


WWW.PAKSOCIETY.COM

بتاتی ہوئی۔ ان چھوئے راز افشا کرتی ہوئی۔ اسے نجانے کیوں لگتا تھا جیسے شہرنواز اسے پہلے سے جانتا ہو۔ پہلے سے دیکھ رکھا ہو۔

مگر کب' کہاں۔ بارہا ذہن پہ زور دینے پر بھی کچھ یاد نہ آتا کہ وہ اسے پہلے کہاں دیکھ چکا ہے۔

"جب میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تو اس نے مجھے کہاں دیکھا ہوگا۔ وہم ہے میرا۔"

وہ دل کو تسلی دیتی مگر پھر اس کی باتیں اور دیکھنے کا انداز یاد آئے تو رواں رواں سلگ اٹھا تھا۔

"بدتمیز' روڈ۔ خود کو سمجھتا کیا ہے۔ شہر کی لڑکیاں ایسی شہر کی لڑکیاں ویسی' خود ہی کسی اچھی لڑکی کے قابل نہیں ہو۔ ہونہہ۔" اس نے تصویر سے نظریں چرائیں۔ سیدھی لیٹ گئی۔ نہ دائیں نہ بائیں۔ چادر منہ پہ تان لی۔

☆ ☆ ☆

"اور یہ رہا تمہارا جوڑا۔" نوشابہ بیگم نے شاپر میں پیک شدہ ایک زرد اور سرخ رنگ کا بھڑکتا ریشمی جوڑا اس کی طرف بڑھایا تھا جسے اس نے عام سے انداز میں تھام لیا تھا۔

ننھی حورم کا اسی ہفتے عقیقہ تھا۔ جس کی خوشی میں نوشابہ حسب روایت تمام ملازمین میں نئے جوڑے جوتے تقسیم کر رہی تھیں۔ تمام ملازمائیں خوشی سے کھلی پڑ رہی تھیں۔ دعائیہ کلمات کے ساتھ نوشابہ بیگم کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ حورم کی صحت' سلامتی اور لمبی عمر کی بھی دعا مانگ رہی تھیں۔

جب کہ وہ جوڑا لے کر ایک طرف خاموشی سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"ارے خالہ جان! میرب بھی یہاں موجود ہیں۔ انہیں بھی تو اس خوشی کے موقع پر کوئی گفٹ دینا چاہیے۔" اچانک ماہین کو میرب کا خیال آیا تھا جو اپنے پروجیکٹ کے سلسلے میں آج کل حویلی میں قیام پذیر تھی۔

"السلام علیکم جی! کیا ہو رہا ہے؟" اسی وقت میرب خود ادھر آ گئی۔ خوش دلی سے سلام کرتی ایک طرف کاؤچ پہ بیٹھ گئی تھی۔ بلیک سلک کی پینٹس' آف وھائٹ امبرائیڈڈ ڈھیلی ڈھالی شرٹ پہ شال' سائیڈ کندھے پہ ڈالے بے حد عام حلیے کے باوجود بہت پرکشش لگ رہی تھی۔

"ارے آؤ میرب! ابھی تمہیں ہی یاد کر رہے تھے۔ میری حورم کا اسی ہفتے عقیقہ ہے۔ اسی سلسلے میں تمہارے گفٹ کی بات کر رہے تھے۔" ماہین مسکراتے ہوئے اس سے بولی تھی۔

"ارے گفٹ تو مجھے دینا چاہیے پرنسس حورم کو۔" میرب خوش اخلاقی سے جواباً گویا ہوئی۔ حائقہ کی نگاہیں بغور اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ذہن میں شہرنواز کے الفاظ گونج رہے تھے۔ خوب صورت' ہمدرد اور خوش اخلاق۔

"ہونہہ! یہ محترمہ خوب صورت ہیں۔ موصوف کی نظر میں' بال ہیں جیسے کوئی گھونسلا' صرف اسکن ہی تو صاف ہے۔ لیکن میری اسکن سے زیادہ فئیر اور شائننگ نہیں ہے۔ میری تو یہاں کے ایٹ ماسفئیر میں آکر رنگ ڈل ہو گیا ہے۔ بوا مجھے دودھ میدے سے بنی اس لیے تو کہتی ہیں۔"

اس کے دل میں جلن کی ایسی لہر اٹھی کہ وہ لاشعوری طور پر اپنے اور میرب کے موازنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"میرب کے لیے تو میں نے خصوصی تحفہ تیار کروایا ہے۔" نوشابہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا جو اندر آتے شہرنواز نے سن لیا تھا۔

"کیوں بھئی۔ میرب کے لیے اسپیشل تحفہ کس لیے؟" وہ نوشابہ کے قریب بیٹھتے ہوئے خوش دلی سے بولا۔ براؤن کاٹن کے شلوار' قمیص گورے پیروں میں بلیک لیدر کے جوتوں کے ساتھ بھی وہ بے حد نمایاں لگ رہا تھا۔ بھاری بھر کم صوفے پہ بیٹھنے کے باوجود اپنی دراز قامت کی بدولت صوفے کی بیک سے بھی اونچا محسوس ہو رہا تھا۔

"میرب ہماری مہمان ہے۔ دوسرا ہمارے علاقے

www.paksociety.com

کی بہتری کے لیے کام کررہی ہے۔ہماری خوشیوں میں توان کی شمولیت قابل فخر ہے۔" نوشابہ توصیفی لہجے میں بولیں پھر ملازمہ سے مخاطب ہوئیں۔

"جاؤ رشیدہ! میرے کمرے سے الماری میں ڈبا رکھا ہوا ہے۔وہ لے آؤ۔"

"واقعی 'اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو دولت 'نعمت سے نوازتا ہے۔مگر اس دولت کو ضرورت مندوں تک پہنچانے کی توفیق اور ہدایت کسی کسی کو دیتا ہے۔میرب بھی انہی ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل ہے۔" ماہین بھی دل سے میرب کی کاوشوں کو سراہ رہی تھی۔

"لوخوامخواہ باپ کی دولت پہ سوشل ورک کرکے شہرت اور عزت سمیٹنا کون سی بڑی بات ہے۔"

ماہین کی بات پہ وہ نئے سرے سے سلگ اٹھی تھی۔

"چاہوں تو میں بھی ویلفیئر پروگرام سٹارٹ کرسکتی ہوں۔میرے اکاؤنٹس میں ڈھیروں اضافی پیسے پڑے ہیں۔" اسے نجانے اتنا تاؤ کس بات پہ آرہا تھا۔ملازمہ ڈبا لے آئی تھی۔

ایک قیمتی اسٹائلش سوٹ کے ہمراہ دو خوب صورت طلائی کنگن نوشابہ نے میرب کی طرف بڑھائے تھے۔

"یہ لیں بیٹا! حورم کی خوشی میں یہ چھوٹا سا تحفہ قبول کریں؟"

"ارے آنٹی! یہ بہت زیادہ ہے۔بس سوٹ ہی کافی تھا۔" میرب عاجزانہ انداز سے بولی تھی۔

"اچھا یہ زیادہ ہے؟ اور وہ کم ہوتا ہے جو آپ ہمارے لیے لاتی ہیں۔ہر ڈونر کانفرنس اٹینڈ کرنے کے بعد کوئی نہ کوئی غیر ملکی پروڈکٹ آپ کے ہمراہ ہوتی ہے۔"

شہرنواز نے مسکراتے ہوئے میرب کو کچھ یاد دلانے کی کوشش کی تھی۔

"جی جناب 'لاتی تو سب کچھ ہوں مگر آپ وڈیرہ لوگ ہو۔کون سا ہمارے پرخلوص نذرانے کو شرف قبولیت بخش دیتے ہیں۔" میرب بھی جواباً شکایتی انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"آنٹی! میں آپ کو بتاؤں۔آپ کے بیٹے اتنے روڈ اور فارمل ہیں کہ جب بھی میں باہر کنٹری سے ان کے لیے کچھ لے آؤں تو یہ جھٹ سے انکار کردیتے ہیں۔"

"کیوں غلط بیانی سے کام لیتی ہیں۔ایک بار ایک پرفیوم لیا نہیں تھا آپ سے۔"

کان کی لو مسلتے ہوئے شہرنواز نے مسکراتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی تھی۔

"اوہ! تو تحفے تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا ہے۔" حائقہ کے تو تلووں پہ لگی سر پہ بجھی تھی۔

"میرب... میرب... میرب جسے دیکھو میرب کے گن گا رہا ہے۔اگر اتنی ہی اچھی لگتی ہے تو اسے مستقل گھر کا مکین بنالیں۔میرے شریف اور سادہ مزاج باپ کو کیوں ورغلا رکھا ہے۔" جلتی بھنتی وہ مہتاب بیگم کے کمرے میں آگئی تھی۔

"ہونہہ شریف 'باکردار 'بااصول 'واہ میرے سادہ لوح پاپا۔علیہ ٹھیک کہتی ہے۔یہ وڈیرے لوگ گھر میں بے شک بیوی کو سونے سے لاددیں مگر گھر سے باہر دو تین دوستیاں ضرور پالتے ہیں۔"

کمرے میں لیفٹ رائٹ کرتے ہوئے وہ ہتھیلی پہ مکے برساتے ہوئے اپنی کھولن پہ قابو پانے کی کوشش کررہی تھی۔

بیگم مہتاب بغور اس کی حرکات و سکنات کو نوٹ کررہی تھیں۔انہیں چند دنوں سے سمیرا بدلی بدلی سی محسوس ہورہی تھی 'نہ ٹھیک سے ان کے کام کرتی نہ سیدھی طرح بات کرتی۔وہ شہرنواز سے اس کی شکایت لگانے کا سوچ رہی تھیں۔

"سنو لڑکی! مجھے وہیل چیئر پر بٹھا کر ذرا باہر سبزے کی سیر کرادو۔میرا جی اندر گھبرا رہا ہے۔"

"میرا موڈ نہیں ہے جانے کا۔آپ کسی اور سے کہہ دیں۔" وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔بیگم مہتاب کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"ہائیں کسی اور سے کہوں۔تو تم یہاں کس لیے موجود ہو۔میری خدمت کے لیے نا۔اگر میری

WWW.PAKSOCIETY.COM

خدمت نہیں کروگی تو اپنا بوریا بستر سمیٹو یہاں سے۔"
اس نے بدلحاظی دکھائی تو بیگم مہتاب نے بھی بے مروتی کا چولا پہننے میں دیر نہیں کی۔ اس نے خاموشی سے ان کی بات سنی۔ اپنا سیل اٹھا کر بیک ڈور کھولتی باہر آ گئی۔

علیہ کے لاتعداد میسجز آئے ہوئے تھے۔ وہ شادی نپٹا کر گھر واپس آ چکی تھی۔ اور اس کی غیر موجودگی پر استفسار کر رہی تھی۔

وہ وہیں سیڑھیوں پہ بیٹھ کر اپلائی کرنے لگی۔ اس نے علیہ کو بتایا کہ وہ ان دنوں بوا کے ساتھ ان کے گاؤں میں ہے۔ اگر وہ کہتی تو وہ پاپا کو کال کر کے کنفرم کر لیتی۔

پاپا کو دوستوں کا بتایا اور علیہ کو بوا کے ساتھ جانے کا۔ اگر ان تینوں کا آپس میں کسی بھی طرح کا کانٹیکٹ ہوا تو اس کی تو حقیقت کھل جانی تھی۔ اور پاپا جو کھنچائی کرتے تو اس کا سوچتے ہی اسے جھرجھری آ گئی تھی۔

"بس حالقہ! بہت ہو گئی جانچ پرکھ۔ بندہ دیکھ لیا نا۔ اندر سے وہی پکا زمین دار اور سردار رنگین مزاج اور بدعہد۔ کیا ہے جو وجیہہ اور پرکشش ہے۔ دکھنے میں ہینڈسم ہے۔ بولتا ہے تو دل موہ لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر اس کے دل پہ تو کسی کا تصرف ہے نا۔ اور جس گھر پر نیم پلیٹ لگ چکی ہو تو اسے اپنا گھر کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔"

گھٹنوں پہ ٹھوڑی ٹکا کر آزردگی سے سوچتے ہوئے وہ سامنے لان کے دلکش منظر کو دیکھے گئی۔

رنگ برنگی تتلیوں کا ایک غول اڑتا ہوا پھولوں پہ بیٹھ گیا تھا۔

اسے گھر، بوا اور پاپا بہت یاد آ رہے تھے۔ سراسر اسے یہاں اپنا آپ مس فٹ لگ رہا تھا۔

"بس کل یا پرسوں گھر کے لیے نکلتی ہوں۔ یہاں مزید نکلنے کا کوئی ریزن نہیں ہے میرے پاس۔" ایک بھیگی نظر چاروں طرف ڈالتے ہوئے وہ دل میں بولی تھی۔ نجانے دل کس بات پہ بھر آ رہا تھا۔

"سنو! تمہیں چھوٹے سردار اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔" اچانک سکینہ نے بیک ڈور سے جھانکتے ہوئے اسے بولا تھا۔ وہ اسے بلانے "یقیناً" بیگم مہتاب کے کمرے میں آئی تھی۔

"کون چھوٹے سردار؟" اس نے بے خیالی سے پوچھ لیا۔

"سردار شہرنواز اور کون؟" سکینہ ذرا غصے سے بولی تھی۔ جیسے اس کے بننے پر غصہ آیا ہو۔

"ساتھ میں کون ہے ان کے؟" کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا تھا۔

"میرب بی بی ہیں ان کے ساتھ۔"

"تم جاؤ میں آتی ہوں۔" بغیر گردن موڑے کہا۔

"یقیناً" کمرے میں بیٹھ کر پروجیکٹ ڈسکس کرنے کے ساتھ ساتھ اور بھی ڈھیروں باتیں کی جا رہی ہوں گی۔ میرب کی پسند، ناپسند، اس کے مشاغل اس کی خوب صورتی کی تعریف۔" بیٹھے بیٹھے ہی وہ آزردگی میں گھر گئی تھی۔

"یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ میرب و شہرنواز بھلے شادی کر لیں مگر میں کیوں اتنی ڈسٹرب ہو رہی ہوں۔ میں تو آئی ہی اس لیے تھی کہ شہرنواز کی ذات میں کوئی کمی کوئی خامی دیکھوں اور اس کو جواز بنا کر پاپا کو اس رشتے سے انکار کر دوں۔ تو اب جب کہ میرا آنا بے کار نہیں گیا تو یہ خواہ مخواہ کا ڈپریشن کیوں؟"

اپنی ان ساری باتوں کا جواب اس کے پاس صرف خاموشی تھی۔ مکمل خاموشی۔

رات کو اپنی مخصوص جگہ پر سوتے ہوئے اس نے شہرنواز کی تصویر کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے بیگم مہتاب کی طرف رخ کر لیا تھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"تم نے آج میرے بالوں کی کنگھی نہیں کی۔ مجھے مالش نہیں کی۔ کھانا بھی خود میں نے اپنے ہاتھوں سے کھایا۔ میرے کپڑے بھی تبدیل نہیں کروائے میں نے ساری باتوں کی شہرنواز کو رپورٹ کر دی ہے۔ اب وہی تمہارا فیصلہ کرے گا۔ مجھے تو تمہاری غریبی پہ ترس آتا تھا۔ اس لیے خاموش رہی۔ ورنہ تو تین راتوں سے تم نے میری ٹانگیں نہیں دبائیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ خاموشی سے ان کی لن ترانیاں سنے جارہی تھی۔

"بیوہ ماں، آٹھ بہن بھائی اور مہارانی کے نخرے دیکھو۔" اس کی مسلسل خاموشی پہ بیگم مہتاب نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدل لی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح بے حد چمکیلی اور روشن تھی۔ تمام ملازماؤں نے نئے کپڑے اور جوتے پہن رکھے تھے۔ سبھی کے چہرے شاداں لگ رہے تھے۔ آج حورم کا عقیقہ تھا۔ سبھی رشتہ دار اور عزیز مدعو تھے۔ اسی حساب سے کھانا بھی بے حساب اور بہت زیادہ بن رہا تھا۔

زیادہ کاموں کو دیکھتے ہوئے نوشابہ نے اسے کچن میں دوسری ملازماؤں کے ساتھ کام پر لگا دیا تھا۔

"مگر بی بی جی! یہ لڑکی تو کوئی بھی کام ٹھیک سے نہیں کرتی۔ اس دن قورمے میں زیادہ مرچیں اس نے ڈال دی تھیں آپ نے رخسانہ کو ڈانٹ دیا تھا۔ ایسے ہر کام بگاڑ دیتی ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یا تو بیٹھی رہتی ہے۔" سکینہ شکایتی انداز میں نوشابہ سے کہہ رہی تھی۔

"کیوں لڑکی! تمہارا کام کرنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟"

نوشابہ نے سخت لہجے میں اس سے پوچھا۔ اسے نوشابہ کے لہجے اور انداز پہ سخت غصہ آیا تھا۔ وہ بھلا کہاں ان لہجوں اور رویوں کی عادی تھی۔ وہ تو خود آڈر کرنے والوں میں سے تھی۔ ایسے تحکمانہ لہجے بھلا کہاں اس سے برداشت ہوتے تھے۔ تاہم غصے کو دباتے ہوئے وہ بظاہر ادب سے بولی۔

"معاف کر دیں بی بی جی! اب دھیان سے کام کروں گی۔" کہتے ہی وہاں سے ہٹ گئی۔

"ارے تم تیار کیوں نہیں ہوئیں۔" ماہین کو اسے تین دن پرانے کپڑوں میں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔

"تمہیں جو کپڑے اور جوتے دیے تھے۔ وہ کیوں نہیں پہنے؟"

"درزن نے قمیص اتنی لمبی اور کھلی سی ڈالی ہے کہ مجھے پسند ہی نہیں آئی۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ماہین کے سامنے وہ اسی ٹون میں بات کرلیا کرتی تھی کیونکہ ماہین کے اندر روایتی کروفر اور طمطراق نہ تھا۔ بہت اپنائیت اور نرمی سے بولتی تھی۔

"کمال کرتی ہو۔ اگر پسند نہیں آیا تھا تو مجھے کہتیں میں تمہیں اپنا کوئی سوٹ دے دیتی۔ چلو آؤ تمہیں کوئی جوڑا دوں۔" ماہین اسے ساتھ لیے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

"یہ لو، تم میرا یہ سوٹ پہن لو۔" ایک بے حد اسٹائلش اور قیمتی ڈریس نکال کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ وہ ویسے بھی فراخ دل تھی۔ اپنی برتی ہوئی چیزیں بہت آرام سے ملازماؤں میں تقسیم کر دیا کرتی تھی۔ آج تو ویسے بھی وہ بہت خوش تھی کہ آج اس کی پیاری بیٹی کا عقیقہ تھا۔

"آپ کے شوہر مجھے آپ کے کپڑوں میں دیکھ کر کیا کہیں گے۔" وہ جھجک کر بولی تھی۔ دراصل کہنا تو یہ چاہتی تھی کہ مجھے کسی کی اترن پہننے کی عادت نہیں ہے۔

"ارے نہیں، وہ کچھ نہیں کہیں گے۔ ویسے بھی میرا یہ سوٹ نیا ہے۔ اسی چکر پہ اسلام آباد سے لیا ہے۔"

ماہین ہنس کر بولی تھی۔ بلیک شیفون کی کلیدار ساڑھی میں آج وہ بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ بلیک اسٹونز کی جیولری بھی خوب جچ رہی تھی۔

سوٹ اس نے ماہین کے ڈریسنگ روم میں چینج کر لیا تھا۔ بلیک و سلور کامبینیشن کا ویلوٹ کا سوٹ اس پہ بالکل فٹ آ رہا تھا۔ بلیک ویلوٹ کا تنگ چوڑی دار پاجامہ، لانگ پرنٹڈ ہاف بازو کی شرٹ اور ساتھ میں بڑا سا دوپٹا۔

کافی دنوں بعد وہ اپنے پرانے حلیے میں واپس آئی تھی۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر اسے اچھا فیل ہو رہا تھا ورنہ تو لمبے، کھلے چغے اور سر پر دوپٹے کو لپیٹے لپیٹے اپنا آپ بھی اوپری اوپری فیل ہوتا تھا۔

"تم یہیں تیار ہو جاؤ میں ذرا باہر کے انتظامات دیکھ لوں۔" ماہین اس سے کہتی باہر نکل گئی۔

سامنے ڈریسنگ ٹیبل پہ کاسمیٹکس کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اسے میک اپ سے ویسے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ پہلے بھی وہ سمپل رہا کرتی تھی۔ اب بھی اس نے کاجل سے اپنی خوب صورت آنکھوں کو مزید دلکش بنایا۔ لپ گلوس گلابی لبوں پر پھیرا اور بس۔ ہاں پرفیوم دل کھول کے خود پر برسایا تھا۔ براؤن سلکی بال ایسے ہی سنوار کر کھلے چھوڑ دیے تھے۔

"ماہی۔ ماہین یار! بات سنو تو۔" کوئی باہر سے زور زور سے بولتا ہوا اندر آگیا تھا اور اس پہ نظر پڑتے ہی اپنی جگہ پہ جم گیا تھا۔

"واؤ واٹ آماسٹر پیس۔" نووارد کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔ وہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔ پتا نہیں کون ہے۔ پہلے تو حویلی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بلاوجہ آئینے کی طرف رخ کر کے خوامخواہ بالوں کو ترتیب دینے لگی تھی۔

"ماہین! کہاں ہے؟" مقابل نے اس کے سراپے کا انتہائی گہری نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ بی بی جی تو باہر کسی کام سے گئی ہیں۔" وہ گھبرا کر بول پڑی۔ ورنہ تو سامنے کھڑے شخص کی نظریں اسے اپنے وجود میں برمے کی طرح چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"واٹ بی بی جی؟" وہ حیرت کے مارے چلا اٹھا تھا۔ "تم کون ہو تم؟"

"ارے عابی! تم یہاں آگئے۔ میں تمہیں باہر ڈھونڈ رہی تھی۔" اتنے میں ماہین خود اندر آگئی تو اس کی جان میں جان آگئی تھی۔ سرعت سے باہر نکل گئی۔

"ماہی ہو از شی؟" وہ جیسے کسی ٹرانس کی حالت میں پوچھ رہا تھا۔

"بڑی اماں کی میڈ ہے۔ بے چاری کو اپنا جوڑا پسند نہیں آرہا تھا تو میں نے اپنا سوٹ اسے دے دیا۔"

"یہ میڈ ہے؟" عباد کو جیسے جھٹکا لگا تھا ماہین کی بات سن کر۔

"اتنی بیوٹی فل اور انوسینٹ۔"

"میرے بھائی! میں خود بھی اسے دیکھ کر یونہی حیران ہوئی تھی۔ تمہارا بھی کوئی قصور نہیں۔" ماہین نے ہنستے ہوئے اس کی حیرت کو کم کرنا چاہا تھا۔

"ان بلیو ایبل۔ مجھے تو لگا تھا کہ جیسے کوئی فیری اپنے فیری لینڈ سے بھٹک کر ادھر آگئی ہو۔" عباد تو جیسے ابھی تک حائقہ کی شخصیت کے سحر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ہاں قسمت دیکھو۔ نہ باپ سر پر۔ ایک ماں آٹھ بہن بھائی۔ کتنی دور سے چند ہزار کی نوکری کرنے آئی ہے۔ صورت شہزادیوں جیسی اور نصیب نوکرانی کا۔"

ماہین کو بھی جیسے اس کی قسمت پر ترس آیا تھا۔

"ایسے شاہکار کام کرنے کے لیے قدرت نہیں بناتی بلکہ انہیں تو دل میں بسایا جاتا ہے۔" عباد نے خود کلامی کی تھی۔ حقیقتاً" حائقہ کی خوب صورتی نے اسے گھائل کر دیا تھا۔ زندگی میں بے شمار خوب صورت لڑکیاں آئیں۔ ان سے "واد" پائی اور چلی گئیں کچھ کو خود اس نے اپنی زندگی سے نکال پھینکا تھا۔ خود وہ بھی بے حد سمارٹ اور چارمنگ پرسنالیٹی کا مالک تھا۔ ماہین کا اکلوتا بھائی بے شک شہر میں تعلیم حاصل کی۔ شہر میں کئی بزنس شروع کر رکھے تھے۔ مگر بنیادی طور پر وہ تھا ایک وڈیرہ ہی۔ جس کی گاؤں میں کئی مربع زمینیں تھیں۔ جن پہ کام کرنے والے ہاری اور کسان اسے خود سے کہیں دور نچلے درجے کی مخلوق لگا کرتے تھے۔ وہ کوئی چوہدری شہر نواز تھوڑی تھا جو انسانوں کو اپنے ہم پلہ سمجھتے ہوئے انہیں عزت و اکرام دیتا۔ وہ تو چوہدری عباد اکرم تھا جو زندگی کی ہر رنگینی اور دلکشی سے حصہ لینا اپنا حق سمجھتا تھا حائقہ بھی تو اس دنیا کی دلکشی و خوب صورتی کا ایک حصہ تھی جو اس کو بری طرح بھا چکی تھی۔ ایسے میں وہ اپنے حق سے خود کو کیونکر محروم رکھتا؟

☆ ☆ ☆

"کمینہ ذلیل بدتمیز اب اگر سامنے آیا نا تو مکا جڑ کر ناک کا بانسہ توڑ دوں گی۔" ہلوسے ٹیک لگائے وہ کب سے خود کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ماہین

کے کمرے میں اچانک وارد ہونے والے شخص کی غلیظ اور بھوکی نظریں یاد کر کر کے وہ اب تک کتنا ہی اپنا خون جلا چکی تھی۔

"ایسے دیکھ رہا تھا جیسے کبھی کوئی لڑکی نہ دیکھی ہو۔" غصے سے سوچتے ہوئے اس نے لاؤنج میں نظر دوڑائی ہر طرف شوخ، بھڑکیلے، آنکھوں کو چبھتے رنگوں کی بہار تھی۔

"تمہیں چوہدری شہر نواز صاحب اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔"

ملازمہ اس کے قریب آ کر بولی تو وہ چونک اٹھی تھی۔

"اب یہ کیوں یاد فرما رہے ہیں۔ یقیناً" بیگم مہتاب کی شکایت کا کوئی ری ایکشن ہو گا۔ خیر میں بھی حساب بے باق کیے دیتی ہوں۔" عباد کی گستاخانہ نظروں نے پہلے ہی اسے تپا دیا تھا اب اس بلاوے پہ وہ اور بھی جارحانہ موڈ کے ساتھ شہر نواز کے کمرے کی طرف رخ کر کے چل پڑی تھی۔ عین دروازے پہ پہنچ کے اس کے موڈ کی جارحیت ایک دم سے غائب ہو گئی تھی۔ ایک طرح کی گھبراہٹ نے اس کے سراپے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دل الگ بگٹٹ بھاگ رہا تھا۔

"میں کیوں گھبرا رہی ہوں۔ میں اس کی ملازمہ تھوڑی ہوں۔" خود کو دلاسا دیتے ہوئے ڈور پر ہلکے سے ناک کر دیا۔ ٹانگیں بھی ہلکی ہلکی کانپ رہی تھیں۔

"جی.... آ جائیں۔" اندر سے اس کی شائستہ آواز ابھری تھی۔

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ وہ ٹیبل پہ پاؤں رکھے اپنی براؤن لیدر کی چپل کا بکل بند کر رہا تھا۔ اوپر سر اٹھا کر دیکھا تو پھر جیسے وہیں جم کر رہ گیا۔

ایک بے حد اسٹائلش لباس میں وہ اس کے سامنے کھڑی اپنی مومی انگلیوں کو موڑ رہی تھی اور عنابی ہونٹوں کو کچل رہی تھی۔ دائیں ہاتھ میں سلور چوڑیاں باقی پنسل ہیل سینڈلز میں مقید اس کے گورے نازک پاؤں۔ وہ نظر ہٹاتا تو کیسے ہٹاتا، تاہم اگلے ہی لمحے اپنی نظروں کو اس کے پرفسوں سراپے سے چھڑاتے ہوئے نارمل انداز سے بولا۔

"آئیں سمیرا بی بی! بیٹھیں۔" وہ صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"نہیں بس ایسے ہی ٹھیک ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ کچھ دیر پہلے والا حوصلہ اور جارحیت نجانے کہاں چلے گئے تھے۔

"چلیں، جیسے آپ کی مرضی۔" وہ کندھے اچکا کر آئینے کی طرف متوجہ ہوا۔

"بڑی اماں کی طرف سے آپ کی بڑی شکایتیں موصول ہو رہی ہیں۔"

"تو....؟" یک لفظی جواب انتہائی سرد انداز سے دینے کے ساتھ ہی وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔ غالباً" وہ اس کے اس جواب سے حیران ہوا تھا۔ تبھی تو آئینے سے رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو یہ کہ آپ ان کا خیال رکھیں۔ ان کی ضروریات وقت پہ پوری کریں۔ ان کا دل بہلائیں۔ ان کا موڈ خراب ہے تو اسے خوش گوار بنانے کی کوشش کریں۔"

میٹھے اور دل نشین انداز میں بولتے ہوئے اس نے برش رکھ کر اب پرفیوم کی بوتل اٹھالی تھی۔ خود پہ بے دریغ پرفیوم انڈیلتے ہوئے وہ آئینے میں اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ کمرہ تیز مہک سے بھر گیا تھا۔

"معاف کیجئے گا۔ میں یہ نوکری مزید نہیں کر سکتی۔ بیگم مہتاب کے مزاج کو سمجھنا میرے لیے ذرا مشکل ہے۔"

کارپٹ پہ نظریں جمائے اس نے اپنی طرف سے صاف جواب دے دیا تھا۔ جواب میں شہر نواز نے ایک گہری نظر سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اسے بے حد سنجیدہ اور کسی حد تک خفا لگ رہی تھی۔

"آپ شاید جانتی نہیں کہ بزرگ اور بچے میں زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ بزرگوں کو بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا پڑتا ہے۔"


WWW.PAKSOCIETY.COM

"جی، مجھے معلوم ہے۔ مگر میں یہ نوکری نہیں کر سکتی۔ میں کل اپنے گھر جا رہی ہوں۔"

"ایسے کیسے جا سکتی ہیں۔ اصول کے مطابق آپ کو یہ جاب پورے ایک ماہ کرنی ہے۔" وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔

"جی نہیں۔ اشتہار میں کوئی ایسی ایک ماہ کی شرط نہیں لکھی تھی۔ اڈ ہے میرے پاس۔" وہ تڑخ کر بولی تھی۔ شہرنواز کو اس کے انداز پہ ہنسی آگئی تھی۔

"چلیں وہاں شرط نہ سہی۔ ویسے بھی ایک اصول ہے جب کوئی جاب چھوڑی جاتی ہے تو ایک ماہ پہلے اطلاع دی جاتی ہے۔ آپ تو ایک دن پہلے انفارم کر رہی ہیں۔" اسے جیسے اس بحث میں مزا آرہا تھا۔

"یہ کوئی آفس جاب نہیں ہے کہ میں ایک مہینہ پہلے اطلاع دوں۔" وہ ہنوز نروٹھے پن سے بولی تھی۔

"چلیں جیسے آپ کی مرضی۔ میں ایک مہینہ کی درخواست اس لیے کر رہا ہوں کہ اسی ماہ ابو میری شادی کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ میری بیوی آجائے گی تو وہی بڑی اماں کی خدمت کرے گی۔" وہ بڑے دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

اس کی بات پہ حائقہ کے سینے میں اس کا دل پھڑپھڑا کر رہ گیا تھا۔ پھر نجانے کیا سوچ کر طنز سے پوچھ لیا۔

"کون یہ میرب ہمدانی؟"

"جی نہیں حائقہ شیرازی، آصف شیرازی کی بیٹی شاید آپ کو کسی نے بتایا نہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔ وہ بے ساختہ نظریں چرا گئی تھی۔ وہ بھی تو آج معمول کی نسبت کہیں زیادہ دل کھینچنے کی حالت میں لگ رہا تھا۔ ہلکے سرمئی شلوار سوٹ پہ براؤن واسکٹ اور سائیڈ کندھے پہ ہلکی شال لیے اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ اس کا کام تمام کیے دے رہا تھا۔

حائقہ کو لگ رہا تھا اگر وہ کچھ دیر اور اس کے کمرے میں رکی تو موم بن کر پگھل جائے گی۔ اس کا ظاہری بہروپ بھاپ بن کر اڑ جائے گا۔ تبھی تو اس کی بات کا جواب دیے بنا تیزی سے باہر نکل آئی تھی۔

باہر کافی تعداد میں مہمان آچکے تھے۔ میرب ہمدانی ریڈ اور براؤن اسٹراج ___ کے ڈیزائنر سوٹ میں ملبوس تھی۔ شارٹ شرٹ اور پینٹس کے ساتھ اس کا فگر بے حد بھلا لگ رہا تھا۔ کانوں میں میچنگ آویزے اور لائٹ سی لپ اسٹک کے ساتھ وہ معمول کے دنوں کی نسبت کہیں پیاری اور خوب صورت لگ رہی تھی۔

کھانا لگ چکا تھا۔ شہرنواز اپنی پلیٹ میں تھوڑی سی بریانی اور سلاد لیے گلاس وال کے قریب جا کھڑا ہوا۔ میرب کے ہاتھ میں بھی شوارمے کی پلیٹ تھی جسے وہ نزاکت سے کھا رہی تھی۔ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے کھانے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو بھی کر رہے تھے۔

حائقہ کی نگاہیں ان دونوں پہ جمی تھیں۔ ان نگاہوں میں تشنگی، شکایت اور خفگی تھی۔ اسے افسوس ہو رہا تھا جب شہرنواز نے اپنی منگیتر کے لیے اس کا نام لیا تھا تو وہ کیوں نہ بتا سکی کی حائقہ شیرازی کے دل میں اس کے لیے سخت ناراضی اور ناپسندیدگی ہے۔ وہ اسے کبھی اپنا لائف پارٹنر نہیں بنائے گی۔ وہ کسی دھوکے باز کو اپنی زندگی میں جگہ نہیں دے گی۔ مگر وہ تو وہاں گویا اس کی شخصیت کے سحر سے بچ نکلنے کی خاطر نیچے آئی تھی۔ اسے کیوں لگ رہا تھا۔ جیسے یہ جادوگر اسے اپنی باتوں اور شخصیت کے جال میں باندھ دے گا اور وہ کبھی اس پھندے سے خود کو نہ چھڑا پائے گی۔

اس کی نگاہ کا مرکز وہ دونوں تھے تو وہ بھی عباد کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ان نگاہوں میں اس کے لیے تعریف، طلب اور ہوس سبھی کچھ موجود تھا۔ عباد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی اس کامنی سی لڑکی کا ہاتھ تھامے اور اپنے فارم پہ بنے کاٹیج میں لے جائے اور اپنے مخصوص انداز میں "خراج تحسین" پیش کرے۔ اس کے حسن کو داد دیتے ہوئے اپنی وارفتگیوں کا عملی ثبوت پیش کرے۔ اپنے سیل فون میں وہ کھٹا کھٹ حائقہ کی مختلف اینگلز میں تصویریں لیتا جا رہا تھا۔ انہی تصویروں کو کام میں لا کر وہ اس پری وش کو حاصل کر سکتا تھا۔

www.paksociety.com

اس کا شیطانی ذہن اسے کئی طریقے سمجھا رہا تھا۔ اور لبوں پہ شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

پتا نہیں یہ فنکشن کی تھکاوٹ تھی یا کسی اور بات کا اسٹریس۔ اگلے دن اس کی طبیعت کافی مضمحل تھی۔ انتہائی سستی اور ڈھیلے پن سے اپنا بیگ سیٹ کیا۔ کل اسے یہاں سے نکلنا تھا۔

"تمہیں نوشابہ بی بی ادھر ورزش والے ہال میں بلا رہی ہیں۔" سکینہ نے دروازے سے سر نکال کر پیغام پہنچایا تھا۔

"کیا مجھے؟" اس نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"ہاں تمہیں۔" سکینہ نے دیدے گھماتے ہوئے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"مگر جم والے ہال میں کیوں؟" وہ الجھی تھی۔

"مجھے کیا پتا' شاید کوئی صفائی وغیرہ کروانی ہو۔" سکینہ کے دانت پورے کے پورے باہر تھے۔

"ہاں ہاں جاؤ۔ سب کے کام کرو۔ بس اس بڑھیا کے علاوہ جس کے لیے آئی تھیں۔" بیگم مہتاب اسے اٹھتا دیکھ کر جل کر بولیں۔

"جم میں صفائی اور وہ بھی اس وقت۔" دوپٹا اچھی طرح لپیٹتے ہوئے اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا تھا۔ رات کا سیاہ آنچل ماحول کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔

"بات سن لیتی ہوں۔ کام وام میں نہیں کرتی۔ میری طبیعت خراب ہے۔ ویسے بھی کل مجھے روانہ ہونا ہے۔" دل ہی دل میں شکوک و شبہات کو دباتے ہوئے وہ جم کی سائیڈ پہ چل دی تھی۔

ایک طویل کاریڈور تھا جسے عبور کر کے دائیں طرف مڑنے پر جم بنا ہوا تھا جہاں دنیا کے بہترین ورزشی آلات موجود تھے۔

کاریڈور لائٹس سے منور لیکن سنسان پڑا تھا۔ سبھی رہائشی حصے کی طرف زیادہ آمدورفت رکھتے تھے۔ اچانک دائیں طرف کے کمرے سے کوئی نکلا اور اس کا ہاتھ تھام کے اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔ اس کی چیخ نکل گئی تھی۔ جس کی گونج خالی کاریڈور کے آخری کونے تک چلی گئی تھی۔

"ہائے۔۔۔ میں عباد! تمہیں کل دیکھا تو تمہیں پانے کو دل مچل گیا تھا۔ کیسی ہو مائی سویٹ ہارٹ؟" وہ مسکرا کر اس سے پوچھ رہا تھا اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جو اس کے علم کے مطابق ماہین کا بھائی تھا۔

جس کے چہرے کی خبیث مسکراہٹ اور ہوس ناک نگاہیں اس کے گھناؤنے ارادوں کا پتا دے رہی تھیں۔

"چھوڑو میرا ہاتھ۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے انتہائی خوف زدہ ہو کر بولی تھی۔ ساتھ ہی اپنا ہاتھ اس کی بے رحم گرفت سے چھڑانے کی سعی کی مگر اس نے تو مزید کس لیا تھا اتنا کہ اسے لگ رہا تھا۔ جیسے اس کے ہاتھ کا چورا بن گیا ہو۔ مارے اذیت کے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"نو ٹینشن ڈارلنگ! چلو میرے ساتھ میرے کاٹیج پہ۔ میری مرسڈیز ریڈی کھڑی ہے۔ وہاں چل کر تمہیں محبت' سکون اور لطف کی ایسی دنیا کی سیر کراتا ہوں جو آج تک تم نے کبھی نہیں کی ہوگی۔"

نرمی اور محبت سے پچکارتے ہوئے وہ اسے ساتھ گھسیٹنے لگا۔ وہ خود کو چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگی۔ مگر اس ہوس کے مارے شخص پہ اس کی تگ و دو کا کوئی اثر نہ پڑ رہا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ گھسٹتی چلی جا رہی تھی۔ دوپٹا کہیں دور پیچھے رہ گیا تھا۔

"چھوڑو۔ کمینے ذلیل انسان مجھے کوئی ہے۔ ہیلپ می۔ خدا کے لیے کوئی ہے۔" اس کی ساری چیخ و پکار خالی دیواروں سے ٹکرا کر واپس اس تک آرہی تھی۔

عباد کو جیسے اس کا رونا چلانا لطف دے رہا تھا' تبھی تو مسکراتے ہوئے اسے گھسیٹے جا رہا تھا۔ سکینہ کو دو ہزار تھما کر ساری سچویشن سمجھاتے ہوئے بڑے آرام سے شکار کو اپنے جال میں بلا لیا تھا۔ بس اب کچھار کچھ فاصلے پہ رہ گئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

"جان من! کیا ہوا جو قسمت میں میڈ بننا تھا مگر میں تو تمہیں دل کی کوئین بنانا چاہتا ہوں۔" اس کے کانوں کے قریب اس نے زہر افشانی کی تھی۔

"نہیں، نہیں۔" روتے بلبلاتے ہوئے وہ خدا کو دل ہی دل میں پکار رہی تھی۔ جو واحد اس کی ناموس کے موتی کو گناہ کی دلدل میں لتھڑنے سے بچا سکتا تھا۔

"عباد! چھوڑو اسے۔" ایک دبنگ غصیلی آواز کوریڈور کے سرے سے آئی تھی تو جیسے وقت بھی سہم کر تھم گیا تھا۔

پھر تیز قدموں سے بھاگتا ہوا کوئی آیا اور آتے ہی زناٹے دار تھپڑ عباد کے چہرے پہ دے مارا، تھپڑ کی گونج دیواروں سے کئی لمحوں تک ٹکراتی رہی تھی۔

"شیری! تم نے مجھے تھپڑ مارا۔ ہاؤ ڈیر یو؟" عباد تو جیسے اپنی بے عزتی پہ پاگل ہوا اٹھا تھا۔

"ہاں میں نے تمہیں تھپڑ مارا۔ تم ہماری حویلی کی عزت پہ ہاتھ ڈالو گے تو تمہیں میں گولی بھی مار سکتا ہوں۔"

سرخ چہرے کے ساتھ وہ غراتے ہوئے بولا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی خوف سے تھر تھر کانپتے ہوئے اس کی آنکھوں سے نکلتے غضب کے شعلوں کو پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

"ایک میڈ کے ہاتھ پکڑنے پر تم مجھے گولی مارو گے؟" عباد کو لگا جیسے شہر نواز کا دماغ چل گیا ہو۔

"ہاں اس حویلی کی ملازماؤں کی عزت بھی اتنی ہی قیمتی اور اہم ہے جتنی یہاں کے مالکوں کی۔ اس گھر میں کام کرنے والی کوئی نوکرانی ہو یا ہمارے کھیتوں میں کام کرنے والی کوئی ہاری، محنت کش عورت۔ ان کی طرف جس کی بھی آنکھ غلط ارادے سے اٹھی وہ آنکھ ہی میں نکال لوں گا چاہے وہ آنکھ میرے کسی اپنے ہی کی کیوں نہ ہو۔"

دھاڑ سے مشابہ آواز کے ساتھ وہ عباد کو خونی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ابھی اس وقت اس کی جان لینے کا ارادہ ہو۔

"ایک میڈ کے لیے تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ اس کا تاوان تمہیں بھگتنا پڑے گا۔" عباد دھمکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں ماہین بھابھی اور دل نواز بھائی کی وجہ سے رعایت مل گئی ہے ورنہ تمہاری ساری بدمعاشی ناک کے راستے نکالنے کی صلاحیت رکھتا ہوں میں۔" عباد کی دھمکی سے متاثر ہوئے بغیر وہ تیز تنفس کے ساتھ بولا تھا۔

"دیکھ لوں گا میں تمہیں۔" پھٹے ہوئے ہونٹ سے خون صاف کرتے ہوئے عباد وہاں سے چلا گیا۔

خالی، سنسان کاریڈور میں حائقہ کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ شہر نواز نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور دوسری دور پڑے اس کے دوپٹے پہ۔ مضبوط قدموں سے چلتے ہوئے ذرا سا جھک کر دوپٹا اٹھایا اور قریب آکر اس کے سر پر ڈال دیا۔ حائقہ نے اس کی طرف دیکھے بنا تیزی سے دوپٹا اپنے گرد لپیٹ لیا۔

"اور تم یہاں کیوں آئی تھیں۔ جب تمہیں کہا تھا کہ تم خود کو بڑی اماں کے کمرے تک محدود رکھو گی تو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ اب ڈپٹ کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے سکینہ نے کہا تھا کہ جم والی سائیڈ پر تمہیں نوشابہ بی بی بلا رہی ہیں۔ اس لیے میں آگئی۔" ہچکیوں کے درمیان اس نے بتایا۔

"یہ سکینہ، کم ظرف عورت۔" شہر نواز نے غصے سے دانت پیسے۔ وہ سکینہ اور نوشابہ کو سامنے بلا کر سارا معاملہ کلیئر کر سکتا تھا۔ مگر اہمیت اس سامنے کھڑی لڑکی کی عزت کی تھی جس کے آنسو اسے بری طرح ڈسٹرب کر رہے تھے۔

"اسٹوپڈ لڑکی! تمہیں خود اپنا سینس استعمال کرنا چاہیے تھا۔ ای ادھر سائیڈ پہ تمہیں کیوں بلائیں گی۔ زیادہ تر یہ حصہ مردوں کے زیر استعمال ہوتا ہے۔"

ڈانٹتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک سائیڈ کا دروازہ کھول کر ایک کمرے میں آگیا، اسی کمرے سے ایک طویل راہداری نکلتی تھی جس کا اختتام عقبی لان کی طرف ہوتا تھا۔ وہ خاموشی سے گھسٹتی اس کے تیز

www.zubiinovelszone.com


WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

قدموں کا ساتھ دیتی جا رہی تھی۔

"وہ سامنے بڑی اماں کے کمرے کا بیک ڈور ہے۔ ادھر سے چلی جاؤ۔" وہ اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے گھمبیر آواز میں بولا تھا۔

جم والی سائیڈ پہ ملازمین کے کوارٹرز بنے ہوئے تھے۔ وہ زمینوں سے فارغ ہو کر کریم بخش کے کوارٹر کی طرف جا رہا تھا۔ کریم بخش کو ڈاکٹروں نے ٹی بی کی تشخیص کی تھی۔ شہر نواز نے شہر میں ایک بہترین اسپتال میں کریم بخش کو ایڈمٹ کروایا تھا۔ بہترین طبی سہولتوں کی بدولت کریم بخش تیزی سے روبہ صحت تھا۔ یہی گڈ نیوز اس کے بیوی بچوں کو سنانے کے لیے وہ اس کے کوارٹر کی طرف جا رہا تھا کہ اس نے ایک نسوانی چیخ سنی تھی۔ پھر اس کے متواتر آوازیں آنے لگی تھیں۔ وہ اندر جانا موقوف کر کے ادھر بھاگتا ہوا آ گیا اور یہاں کا منظر دیکھ کر تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

اپنی عیاش اور بد فطرت کی وجہ سے اسے عباد ہمیشہ سے برا لگتا تھا۔ اسے عباد کا حویلی میں آنا جانا بھی برا لگتا تھا مگر ماہین کی وجہ سے وہ ضبط کے گھونٹ بھر کر رہ جاتا تھا۔ عباد کا زیادہ وقت غلط کاموں میں صرف ہوتا تھا۔ اتنا تو وہ جانتا تھا، مگر وہ اس کے گھر کی ہی فرد کو ناپاک ارادوں سے فوکس کرے گا' یہ تو گمان میں بھی نہ تھا۔

وہ چاہتا تو عباد کو ابھی گھسیٹتا ہوا ماہین اور سب کے سامنے لے جاتا اور اس کے کرتوت کھول کر رکھ دیتا۔ مگر وہ بخوبی جانتا تھا عباد کی حیثیت کبھی اس گھر میں نہیں بدلے گی البتہ اس معصوم لڑکی کی شہرت ضرور داغ دار ہو جائے گی۔ اس لیے اس کی معاملہ فہم طبیعت نے بات کو دبانے کا سوچ لیا تھا۔

حائقہ لان عبور کر کے بیک ڈور تک پہنچ چکی تھی۔ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ ابھی تک وہیں کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ نظر ملنے پر ذرا سا مسکرایا۔ حائقہ کی آنکھیں پھر سے بھر آئی تھیں۔ وہ غڑاپ سے اندر کمرے میں گھس گئی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح وہ بخار میں تپ رہی تھی۔

"آئے ہائے اسے دیکھو۔ جو بوڑھوں بیماروں کی خدمت کرنے آئے تھے۔ خود بیمار پڑ گئے۔" بیگم مہتاب پلنگ پہ بیٹھی خود سے باتیں کر رہی تھیں۔

"ارے کوئی بچی کو تو دیکھے۔ کب سے بے سدھ پڑی ہے۔ نجانے کن ماں باپ کی بچی ہے۔"

انہیں اب ممتا آ رہی تھی۔ پورا دن اس کا غشی کی حالت میں گزر گیا تھا۔ تو تشویش ہونا تو لازمی بات تھی۔

شام کے ٹائم رشیدہ اس کے لیے دلیہ اور بخار کا سیرپ اور گولیاں لے آئی تھی۔ اس نے خاموشی سے دوا پی لیا۔ پھر تھوڑا سا دلیہ کھانے لگی۔

"صاحب جی کہہ رہے تھے کہ اگر سمیرا کا بخار کل تک نہ اترا تو ڈاکٹر کے پاس دکھائیں گے۔" رشیدہ کی بات پہ اس کا دل دھڑک اٹھا تھا۔

"کون سے صاحب نے کہا ہے؟" اس نے کمزور آواز میں پوچھا تھا۔

"بڑے صاحب خالق نواز چوہدری نے۔"

"اوہ۔" رشیدہ کا جواب سن کر نجانے کیوں اس کی آنکھوں کی سطح گیلی ہو گئی تھی۔ دلیہ ایک دم سے کڑوا لگنے لگا تھا۔ رشیدہ نے اٹھ کر اس کی پیشانی پہ ہاتھ رکھا۔

"او خدا! یہ تو تنور کی طرح گرم ہے۔ ذرا ہاتھ دکھا۔" رشیدہ نے اس کا دایاں ہاتھ تھامنا چاہا مگر اس نے سرعت سے دایاں ہاتھ اپنی ٹانگوں میں دبا دیا تھا۔ رشیدہ کو اس کی حرکت بڑی عجیب لگی تھی۔ اس ہاتھ پہ کسی کا لمس اسے تقویت دے رہا تھا۔ اور وہ اس لمس کو زائل نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ اسی دائیں ہاتھ پہ اپنا دہکتا رخسار رکھے وہ زبردستی سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ کہ صبح اسے ہر حال میں یہاں سے نکلنا تھا۔ چاہے طبیعت ٹھیک ہو یا نہ ہو۔

☆ ☆ ☆

"اللہ! میری بچی کتنی سوکھ کملا گئی ہے۔ پیلی پھٹک

WWW.P1KSOCIETY.COM

رنگت' آنکھوں کے گرد حلقے۔ ایسی کیسے حالت بنالی ہے اپنی؟" بوا زینت اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھامے تشویش سے کہہ رہی تھیں۔ وہ جب سے گاؤں سے آئی تھی' تب سے لاتعداد بار اس کے چہرے اور ہاتھوں کو چومتے ہوئے اپنی بے قراری اور محبت کا اظہار کر رہی تھیں۔

"یہ لڑکی علیہ! ایک نمبر کی چٹوری اور ندیدی۔ کتنا کچھ اس گھر سے کھائی جاتی ہے اور میری بچی کو' جیسے اپنی خالہ کے گھر فاقے کروائے ہوں۔ آئے تو سہی اس بار۔ خوب سناؤں گی اسے۔" بوا کو علیہ پہلے کون سا اچھی لگتی تھی اب تو اس کی کمزور حالت دیکھ کر انہیں خوب تاؤ آیا تھا اس پر۔

"ارے نہیں بوا! آپ اس سے کچھ نہیں کہیں گی۔" وہ گھبرا کر انہیں ٹوک گئی تھی۔

"میں علیہ کے ساتھ اس کی آنٹی کے گھر نہیں گئی تھی۔ بلکہ ہم سب دوست پاکستان کی سیر پر نکل گئی تھیں۔"

اس نے فوراً بات بنائی مبادا بوا کہیں علیہ پر چڑھائی نہ کر دیں۔

"اف حائقہ! جھوٹ پہ جھوٹ۔" اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے صوفے کی پشت پہ سر ٹکا دیا تھا۔

"ارے تو بیٹا! سیر کے دوران کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا تھا؟" بوا کی سوئی ابھی تک اس کی صحت پہ اٹکی ہوئی تھی۔

"ارے بوا! خوب کھایا پیا' گھومے پھرے۔ لیکن سچ میں کہیں بھی آپ کے ہاتھوں جیسا ذائقہ نہ تھا۔ اب گھر میں رہ کر خوب پیٹ بھر کر آپ کے ہاتھ کے بنے لذیذ کھانے کھاؤں گی تو ایک دم سے فٹ اور ٹھیک ٹھاک ہو جاؤں گی۔"

وہ ان کے بوڑھے ہاتھوں کو گرم جوشی سے دباتے ہوئے محبت سے بولی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے پھر میں ابھی آپ کا پسندیدہ گاجر کا حلوہ لاتی ہوں۔" بوا اس کی بات پہ خوش ہو کر کچن کو چل دیں۔

وہ کسلمندی سے وہیں لیٹ گئی تھی۔ دل کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ دل و دماغ پہ ایک عجیب سی بے حسی چھائی ہوئی تھی۔ ذہن پہ بار بار ایک ہی منظر چلتا رہتا تھا۔

عباد کا اس کا ہاتھ پکڑ کر بدتمیزی کی کوشش کرنا۔ اس کا رونا' چیخنا' چلانا اور ایسے میں کسی مہربان ہستی کا اچانک سے آکر اس مصیبت سے نکالنا۔ وہ اب تک کتنی ہی بار ان جاں گسل لمحوں کو یاد کر کے رو چکی تھی۔

"اگر عباد اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو جاتا تو پاپا تو اپنی جان سے گزر جاتے۔"

اس سوچ سے ہی اس کی جان پہ کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔

"تمہیں کس نے ادھر آنے کو کہا تھا۔" ایک ڈانٹتی' ڈپٹتی غصیلی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"شہری لڑکیاں اچھی بھی ہوتی ہیں جیسے میرب' خوب صورت حساس اور ہم درد۔" اس کی آنکھیں ذرا سا نم ہوئی تھیں۔

"میرے ابو اسی ماہ میری شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پھر میری بیوی آکر بڑی اماں کی خدمت کرے گی۔" ہموار' متوازن' خوب صورت لہجہ۔

حائقہ کے سر میں جیسے شدید درد ہونے لگا تھا۔ وہ وہیں اٹھ کر اپنی کنپٹیاں دبانے لگی تھی۔

✡ ✡ ✡

"چلی گئی؟ کیا مطلب؟" وہ نوشابہ کی بات پہ حیرانی سے بولا تھا۔

"ہاں بیٹا! بڑی اماں بتاتی ہیں کہ صبح وہ جب اٹھیں تو دیکھا سمیرا کمرے میں نہیں تھی۔ اللہ جانے' کس ڈھنگ کی لڑکی تھی' نہ مل کر گئی۔ نہ تنخواہ لی۔"

"ارے ہاں یاد آیا۔ وہ مجھے بتا کر گئی تھی کہ ایک دو دن میں وہ جاب چھوڑنے والی ہے۔" نوشابہ کی بات پہ اس نے جلدی سے وضاحت دی تھی۔ وہ اس کے

بارے میں کوئی ایسی ویسی بات سن نہیں سکتا تھا چاہے کہنے والی اس کی اپنی ماں ہی کیوں نہ ہو۔

"تنخواہ بھی مجھ سے لے لی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ اس کی ماں کی طبیعت خراب ہے۔ اسے جانا پڑے گا۔" اپنی طرف سے اس نے نوشابہ کو مطمئن کیا اور اپنے روم میں آگیا۔

"تو حائقہ شیرازی! بس اتنے دن ہی ٹک پائیں یہاں۔" چلتے ہوئے وہ سلائیڈ ونڈو کے پاس آگیا۔

وہ دن وہ کیسے بھلا سکتا تھا جب شارق لوگوں نے زبردستی اسے ناردرن ایریاز کی سیر میں گھسیٹ لیا تھا۔ وہاں کے سبزہ زاروں میں اسے ایک بے ہوش لڑکی ملی تھی، جس کی بے ہوشی کی وجہ وہ باوجود کوشش کے معلوم نہ کرپایا تھا۔

لڑکی خاصی خوب صورت اور کسی ویل آف فیملی سے بی لونگ کرتی دکھتی تھی۔ اس نے دوبارہ سہ بار بلکہ متعدد بار اس بے ہوش پڑی لڑکی کو دیکھا تھا اور اس دیکھنے میں تشویش، پریشانی اور فکر مندی تھی۔ انہی دنوں اتفاق سے اس کا رشتہ ڈسکس ہو رہا تھا۔ چوہدری خالق نواز اس کا رشتہ اپنے دوست آصف شیرازی کی اکلوتی بیٹی سے کرنا چاہتے تھے۔

دن رات حائقہ شیرازی کا تذکرہ وہ خاموشی سے سنتا رہتا تھا۔ اس لیے تو جب اس بے ہوش پڑی لڑکی کو اس کی ٹیچرز اور ساتھی وہاں سے لے گئے تو وہاں پیچھے رہ جانے والے کالج کارڈ کو دیکھ کر وہ چونک اٹھا تھا۔

تقریباً" وہی کوائف درج تھے۔ جو ماہین بھابھی اور امی اسے اس کے ہونے والے رشتے کے بارے میں بتاتی رہتی تھیں۔

اسے ایک دم سے افسوس ہوا تھا کہ اتنی بار اس لڑکی کو فکر مندی اور پریشان بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر افسوس ایک اشتیاق محبت اور پسندیدگی کی نظر اس پہ نہ ڈال سکا تھا۔

دل میں گہری الجھن لیے وہ واپس چلا آیا تھا۔ کارڈ اس کی جیب میں تھا۔ اگلے ماہ ابو نے اسے چند تحائف آصف شیرازی کے گھر دینے کو کہا تو وہ راضی ہو گیا۔

"چلو' اس بہانے تو محترمہ کا دیدار ہو جائے گا اور الجھن بھی دور ہو گی کہ یہ وہی ہے یا کوئی اور۔" وائے افسوس' وہاں جا کر صرف بزرگ خاتون نے آداب میزبانی نبھائے۔ کسی دوشیزہ نے جھلک نہ دکھائی تھی۔

"آصف ولا سے نکلتے ہوئے اس نے وہی کارڈ نکال کر دیکھا تو ایڈریس بالکل ایک ہی تھا۔

"اس کا مطلب ہے کاغان میں ملنے والی لڑکی ہی میری لائف پارٹنر بننے کی خوش نصیبی حاصل کرنے والی ہے۔" اسے وہیں پہ یقین ہو گیا تھا۔

"خیر کب تک چھپیں گی۔ ایک نہ ایک دن تو سامنا کرنا ہی پڑے گا۔" اور اتفاق سے اگلے ماہ اپنے گھر کے لان میں پھول چنتی لڑکی کو دیکھ کر وہ دم بخود رہ گیا تھا۔

وہی چہرہ' وہی قد' وہی براؤن آنکھوں پہ دراز گھنی پلکیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اس وقت ویسٹرن پہناوے میں تھی اور یہاں ایک دم سے سادہ اور معمولی کپڑوں میں ملبوس تھی۔

"ایک انسان اتنی مشابہت کسی دوسرے انسان سے کیسے رکھ سکتا ہے۔"

آنکھوں میں گہری الجھن لیے وہ اندر آگیا تھا۔ مگر اس کا وجدان کہتا تھا کہ کاغان میں ملنے والی بے ہوش لڑکی بالکل یہی ہے۔ جو اس وقت بڑی اماں کی میڈ بن کر کھڑی ہے۔

اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے اندازوں کی تصدیق ہوتی گئی۔ جب ماہین نے اس کے کانوں میں ڈائمنڈ ٹاپس دیکھ کر حیرانی کا اظہار کیا تھا۔ تو اسے بھی وہ ٹاپس یاد آگئے تھے جو اس نے بے ہوش پڑی لڑکی کے کانوں میں دیکھے تھے۔

اس نے کارڈ نکال کر پاسپورٹ سائز تصویر کو بغور دیکھا تو وہاں بھی یہی ٹاپس اس کے کانوں میں تھے۔ اب تو کسی کنفیوژن کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

"مگر یہ میڈ بن کر حویلی میں کیوں آئی تھی؟" یہی بات سوچ کر وہ الجھ جاتا تھا۔

"خیر محترمہ کے جو بھی مقاصد ہوں۔ آگے کھل کر


WWW.PAKSOCIETY.COM

سامنے آجائیں گے۔ کون کب تک اپنی اصلیت چھپا سکتا ہے بھلا۔" وہ بالکل مطمئن اور پرسکون تھا۔

ماہین کا اندازہ اس کے بارے میں بالکل درست تھا۔ وہ اپنے ایٹی ٹیوڈ' باتوں اور ردعمل کے لحاظ سے کہیں سے بھی کسی غریب اور ضرورت مند گھر کی نہیں لگتی تھی۔

پہلے تو ڈائمنڈ ٹاپس۔ پھر ایک مہنگے سیل فون پر اسے بات کرتے دیکھ رہا تھا۔ بات بے حد ستھرے اور شائستہ لہجے میں ہو رہی تھی۔ اور انگریزی الفاظ کا ضرورتا" استعمال وہ زور سے قہقہہ لگاتے لگاتے رہ گیا تھا۔

"حائقہ شیرازی! تم بولڈ اور کانفیڈنٹ بے شک ہو۔ مگر ایک بہت ہی بری اداکارہ بھی ہو۔" دھیمے سے بولتے ہوئے وہ مسکرا لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آصف شیرازی نے پورا گھر رینوویٹ کروالیا تھا۔ وہ اسی چکر میں اس کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ گھر کے پردوں سے لے کر فرنیچر تک سب کچھ چینج ہو چکا تھا۔ جس رات وہ پاکستان پہنچے تھے۔ پہنچنے کے ٹھیک آدھا گھنٹہ بعد اسے اپنے روم میں بلا لیا تھا۔

"آئی ہوپ بیٹا! آپ نے اچھی طرح سوچ لیا ہو گا۔ کافی ٹائم لے لیا آپ نے۔ جو فیصلہ ہے اب اسے فائنل کر ہی دیں تو بہتر ہے۔" وہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"پاپا! میرے سوچنے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ جو وسڈم (دانائی) آپ کے پاس ہے میں ساری عمر بھی بتا دوں تو تب بھی میرے پاس اتنی نہیں آسکتی۔ اور مجھے آپ کے فیصلے پر پورا بھروسا ہے۔"

سر جھکائے دھیمی آواز میں اس نے ان کے فیصلے پر ہاں کی مہر ثبت کر دی تھی۔ آصف شیرازی نے بے ساختہ اسے گلے لگا لیا تھا۔

"جیتی رہو بیٹا! ماں باپ کے فیصلوں میں خدا کی رضا شامل ہوتی ہے۔ جو اولاد ماں باپ کے فیصلوں پر سر جھکا دیتی ہے تا ان کی نیا پار ہی ہوتی ہے۔" وہ کافی دیر اسے سینے سے لگائے کھڑے رہے۔

"خالق نواز اگلے ہفتے شادی کی شاپنگ کے سلسلے میں آرہا ہے۔ وہ سب تم سے ملنا' تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

وہ خاموشی سے باپ کی خوشی اور جوش کو نوٹ کرتی رہی تھی۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی آئینے تک آگئی۔

آئینہ اسے اس کی نئی ہی تصویر دکھا رہا تھا۔ ڈل اسکن' روکھے بال' خشک ہونٹ۔

وہ کافی دیر تک کھڑی آئینے میں اپنا جائزہ لیتی رہی تھی۔ پھر اچانک سے اس نے مڑ کر اپنا موبائل اٹھایا۔ اس کی انگلیاں بیوٹی پارلر کا نمبر تلاش رہی تھیں۔

اس نے بیوٹیشن سے آج شام کی اپائنمنٹ لے لی تھی۔

"خوب صورت' ہمدرد اور نیک دل۔" اس کے کان کے قریب کوئی خوب صورت مردانہ آواز گونجی تھی۔

☆ ☆ ☆

خالق نواز اپنی فیملی کے ساتھ آچکے تھے۔ آصف شیرازی ان کا استقبال کرنے گیٹ تک آگئے۔ بوا زینت انتہائی پھرتی سے کچن میں کھانا تیار کروا رہی تھیں۔ اس نے ریڈ اور بلیک اسٹائلش سا ڈیزائنر سوٹ پہنا اور آئینے کے سامنے آگئی۔

بیوٹیشن کے مشاق ہاتھوں نے کسی حد تک اس کی سابقہ شفاف اور چمکدار رنگت اور بالوں کی نرمی اور سنہرا پن واپس کر دیا تھا۔

لاؤنج سے آتی بہت سی خوش گوار آوازوں اور قہقہوں نے اس کی دھڑکن کو بے ترتیب کر دیا تھا۔ یقیناً" بوا اسے آکر سب کو سلام کرنے کا کہیں گی۔ یہ سوچ کر وہ لان میں آگئی اور سنگی بنچ پہ بیٹھ گئی۔

"کاش میں حویلی نہ گئی ہوتی تو آج مکمل اعتماد سے سب سے مل لیتی' سب کے درمیان بیٹھ کر باتیں کرتی' یوں منہ چھپا کر تو ادھر نہ بیٹھنا پڑتا۔" بیٹھے بیٹھے اس

نے اپنی عقل کو کوسا تھا۔

"اگر نہ جاتیں تو یونہی اپنے انکار پہ ڈٹی رہتیں۔ وہاں جا کر ہی شہر نواز کی شخصیت کے جوہر کھلے تھے۔" اس کے دماغ نے اسے سمجھایا تھا۔

واقعی وہ تو گاؤں اس لیے گئی تھی تاکہ اپنے انکار کا کوئی ٹھوس جواز ڈھونڈ کر آصف شیرازی کے سامنے لے آئے۔

مگر وہاں کیا ہوا۔ بری تقدیر عباد کی صورت گھات لگائے بیٹھی تھی۔ اگر جو وہ مہربان فرشتہ وہاں نہ آتا تو اس کا مقدر یقیناً "خود کشی یا ایسی ہی کوئی حرام موت ہوتی۔ وہ اپنا دل کیسے نہ ہارتی جس نے آکر اس کے جوہر نسواں کو آلودہ ہونے سے بچا کر اپنی پناہوں میں لے لیا تھا۔ جس کی اچھائیوں کالج میں سب گن گاتے تھے۔ جو ہمدرد تھا۔ فیاض تھا۔ انسانیت کے درد کا جوہر اس کے پاس تھا۔ وہ اپنے دل کو اس کے نام پر دھڑکنے سے کیسے روکتی۔ جب خود ہی دل ہار چکی تھی تو ایسے میں کیوں نہ اپنے باپ کو ہاں کا مژدہ سنا کر ساری عمر کے لیے ان کی نظروں میں سرخرو ٹھہرتی۔

لان میں پڑے خشک پتے کسی کے پیروں میں آکر چرچرائے تھے۔ اس نے اپنے خیالوں سے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ سامنے کھڑا تھا۔ اپنی تمام تر وجاہت اور ذات کی اچھائیوں کے ساتھ۔

"کیسی ہو؟" مسکرا کر پوچھتے ہوئے ذرا سا اس سے ہٹ کر اس کے پہلو میں بینچ پہ بیٹھ گیا۔ وہ آج بلیک جینز کے اوپر وائٹ شرٹ کے ساتھ ہمیشہ کی طرح ہینڈسم اور دلکش لگ رہا تھا۔

"میں نے سوچا تنخواہ بھی دے آؤں اور طبیعت کا بھی پوچھ آؤں۔ سنا تھا سخت فلو تھا۔" وہ جیب سے والٹ نکالتے ہوئے عام سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟ کیسی تنخواہ؟" وہ بری طرح گڑبڑائی تھی۔

"ارے بھئی بڑی اماں کی پورے دو ہفتے خدمت کرنے کی تنخواہ اور کیا۔"

معصومیت سے کہتے ہوئے شہر نواز نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ ان آنکھوں میں شرارت کے کئی رنگ مچل رہے تھے۔ حائقہ نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

"دیکھیں آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے' نہ تو میں آپ کی حویلی آئی ہوں اور نہ ہی کسی بڑی اماں کی خدمت کی ہے میں نے۔" وہ بری طرح بگڑ کر بولی تھی۔ وہ آتے ہی اس موضوع پہ بات کرے گا یہ تو اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔

"اوہ ویری سوری... مجھے شاید غلط فہمی ہوئی ہے جیسے تمہیں اپنی حویلی میں پہلے سے دیکھا ہو۔ ہو جاتی ہے کبھی کبھار اتنی مشابہت۔" وہ سر ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اٹس امیزنگ۔ وہ لڑکی سمیرا بالکل تمہارے جیسے دکھتی تھی۔ لیکن تھی بالکل اسٹوپڈ اور ال مینرڈ۔ جیسے دیکھو جاب چھوڑتے ہوئے وہ نہ کسی کو بتا کر آئی نہ مل کر آئی۔ امی بھی کہہ رہی تھیں اگر وہ لڑکی دوبارہ ملے تو خوب کلاس لیں گی اس کی۔" وہ مسکراتی نظروں سے اس کے جھکے ہوئے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا تھا۔

"اچھا وہ ال مینرڈ تھی اور خود کیا ہیں۔ ساری رات بخار سے پھنکتی رہی۔ کمرے میں جھانک کر نہ دیکھا کہ کس حال میں ہوں۔ ویسے تو "سارے جہاں کا


محبت میں محرم

سمیرا حمید

قیمت -/300 روپے

درد ہمارے جگر میں ہے" کی تفسیر بنے پھرتے ہیں۔ مگر ایک بے گھر لڑکی بیمار تھی اس کی خبر گیری نہیں۔ ساری انسانی ہمدردی جھوٹ' دکھاوا سارا غریبوں کی فلاح کا پروگرام ایک دم ڈرامہ۔"

وہ ایک دم سے پھٹ پڑی تھی۔ شہر نواز پہلے تو اسے دیکھتا رہا پھر ایک دم سے زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"مائی سویٹ ہارٹ! مجھے اس سے اگلے دن شہر روانہ ہونا تھا' مجھے خبر ہی نہ ہوئی کہ تمہاری طبیعت اتنی خراب ہے۔ تو پروگرام کینسل کر دیتا۔" وہ متبسم انداز میں صفائی دیتے ہوئے بولا۔

اسے حائقہ کی چپ رنگت مزا دے رہی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تم حویلی کس مقصد کے لیے آئی تھیں۔ لیکن میں اتنا جان گیا تھا کہ تم انکل شیرازی کی بیٹی ہو۔ جس سے میرا نصیب جڑنے والا ہے۔ جسے پہلی بار دیکھتے ہی میں نے دل ہار دیا تھا۔"

وہ گمبھیر لہجے میں بولتا ہوا اس کی دھڑکنوں میں اتھل پتھل مچا رہا تھا۔

"کب حویلی میں دیکھتے ہی؟" اس نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔

"نہیں کاغان کی حسین وادی میں۔" اس نے جیب سے اس کا کارڈ نکال کر اس کے سامنے لہرایا۔

"یہ آپ کو میرا کارڈ کہاں سے ملا؟" اس نے فوراً ہاتھ سے جھپٹ لیا تھا۔

"جب آپ محترمہ وہاں بے ہوش پڑی ملی تھیں تو یہ وہیں رہ گیا تھا۔"

"تو کیا آپ نے ہی علیہ کو انفارم کیا تھا؟" وہ خوش گوار حیرت میں گھر کر بولی تھی۔

"جی جناب آپ کی حفاظت کی تمام تر ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذمے تفویض کر رکھی ہے اور ہم یہ ذمہ داری ساری زندگی پوری ایمان داری سے نبھانے کا عہد کرتے ہیں۔" وہ اس کا مرمریں ہاتھ تھامتے ہوئے گہرے لہجے میں بولا تھا۔

"اف۔" حائقہ نے طمانیت سے آنکھیں موند لیں۔ پھر اگلے ہی لمحے وہ اسے سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ اپنا اس رشتے سے انکار' دیہاتوں کے بارے میں غلط تصور۔ اس کی جانچ کے لیے حویلی آنا۔

"مگر یار! اس سارے قصے میں یہ تو کہیں نہیں معلوم ہو رہا کہ میرے بارے میں انکل کو ہاں کیونکر کی؟"

"ہاں بس اسی رات تو میں نے اپنا دل ہارا تھا جب آپ عباد کے چنگل سے چھڑا کر مجھے بحفاظت بڑی اماں کے کمرے تک لے آئے تھے۔" وہ سر جھکا کر اعتراف کرتے ہوئے بولی تھی۔ اور شہر نواز کو اس کا شرماتا لجاتا انداز بے خود کیے جا رہا تھا۔

"اچھا اندر چلتے ہیں۔ سب ہمارا ویٹ کر رہے ہوں گے۔" جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"مگر وہ مجھے پہچان تو نہیں پائیں گی۔" وہ متذبذب سی بیٹھی رہی تھی۔

شہر نواز کے سامنے تو اس نے حویلی کا وزٹ تسلیم کر لیا تھا مگر باقی سب کے سامنے کیسے تسلیم کر پائے گی؟ اسے تو سوچ کر ہی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"ڈونٹ وری' میں سب سنبھال لوں گا۔ کہا نا تمہاری عزت کی حفاظت کی ذمہ داری پوری زندگی کے لیے لی ہے۔"

مضبوط لہجے میں بولتے ہوئے شہر نواز نے چوڑی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلائی تھی۔

اس نے چند ثانیے توقف کے بعد اپنا نازک ہاتھ اس کی ہتھیلی پہ رکھ دیا تھا۔ دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے رہائشی حصے کی جانب چل دیے۔

"یہ تو تم نے بتایا نہیں کہ بڑی اماں کی خدمت کا دو ہفتوں کا معاوضہ جو بنتا ہے اس کا کیا کرنا ہے؟"

اس کا ہاتھ تھامے وہ پوچھ رہا تھا۔

"اسے میرب ہمدانی کو ڈونیٹ کر دیں۔ وہی زیادہ حق دار ہے ان پیسوں کی۔" وہ ایک دم سے جل کر بولی تھی۔ شہر نواز کا قہقہہ دور تک چلا گیا تھا۔

☆ ☆



WWW.PAKSOCIETY.COM